تفسیری نکات
آخری دس سورتوں کی تفسیر
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

فہرست مضامین

سورۃ الفلق 35

سورۃ اِخلاص 49

سُورت لہب

سورۃ الکوثر — 137

سورۃ الماعون 173

سورۃ قریش 199

سورۃ الفیل

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ ہم جس شیخ و مرشد مکرم سے منسلک ہیں پروردگار نے انہیں بہت ساری خوبیوں سے نوازا ہے۔

......آپ شیخ و مربی بھی ہیں، سالکین طریقت اپنے باطن کی صفائی کے طالبین کی اصلاح کرتے ہیں۔ اس حوالے سے آپ کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں سرفہرست تصوف وسلوک، مدارج السلوک، معارف السلوک اور رہے سلامت تمہاری نسبت ہیں۔

......آپ حدیث کے شعبے سے بھی خوب وابستگی اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ایک عرصے تک آپ نے معہد الفقیر الاسلامی جھنگ میں شمائل ترمذی کے اسباق پڑھائے ہیں، جو کہ دروس شمائل کے نام سے منظر عام پر آچکے ہیں۔

......آپ فقہ کے بھی ماہر ہیں۔ روزہ مرہ کے پیش آمدہ مسائل کے حوالے سے بھی رہنمائی مہیا کرتے ہیں۔اس حوالے سے آپ کی کتاب ''فقہ کے بنیادی اصول'' بے مثال ہے۔

......اسی طرح آپ منطق، فلسفہ اور سائنسی فنون میں بھی خوب مہارت رکھتے ہیں۔

......اس کے ساتھ ساتھ آپ تفسیری مہارت بھی بے مثال رکھتے ہیں۔آپ وقتاً فوقتاً

قرآن پاک کی مختلف سورتوں کی تشریح وتفسیر اپنے بیانات میں کرتے رہتے ہیں، کچھ عرصہ پہلے سورۃ الکہف کی تفسیر ایک نئے انداز میں بیان فرمائی، وہ تفسیری دروس کتابی شکل میں بھی چھپ چکے ہیں۔ اسی طرح سورۃ یٰس، سورۃ یوسف کی تفسیر بھی کتابی شکل میں منظر عام پر آچکی ہے۔

ابھی جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ قرآن کریم کی آخری دس سورتوں کے ان تفسیری دروس کا مجموعہ ہے جو ہمارے پیرومرشد حضرت اقدس محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب دامت برکاتہم نے گزشتہ سال رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کے دوران ارشاد فرمائے۔

بہت سی عربی تفاسیر سے مطالعہ کرنے کے بعد ان دروس کو تیار کیا گیا۔ حضرت جی مدظلہ نے ان دروس میں ہر ہر سورت کا مختصر تعارف، شان نزول، ربط، خلاصہ اور سورت کے فوائد وخواص کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔ یہ کتاب عوام الناس اور خصوصاً علماء وطلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

آخر میں یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ کتاب باقاعدہ تصنیف یا تالیف نہیں، بلکہ بیانات کا مجموعہ ہے، علمی یا لفظی غلطی کا احتمال بہرحال موجود ہے، اس لیے اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ کتاب میں جہاں کہیں کوئی قابل اصلاح بات نظر آئے تو ادارے کو ضرور مطلع فرمائیں۔

اس کتاب کی تیاری میں جن حضرات نے بھی معاونت کی ہے اللہ تعالیٰ سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین

فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی
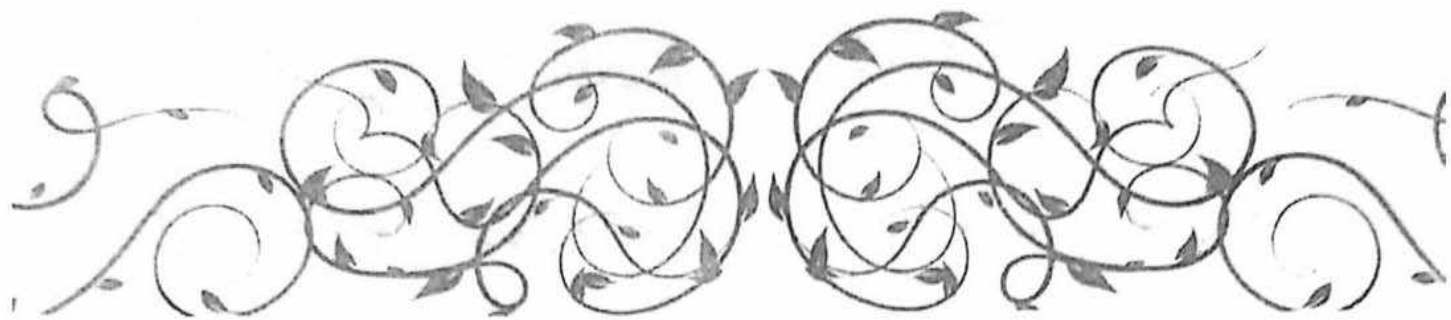
سورۃ الناس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥﴾ [الناس: ۱ تا ٦]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَي الْمُرْسَلِيْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ

قرآن کتابِ ہدایت:

قرآن مجید فرقانِ حمید اللہ رب العزت کی کتاب ہے۔ اللہ رب العزت نے اس کو اس لیے نازل کیا کہ یہ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔ تو قرآن

مجید ذلت کی پستیوں سے نکال کر اوجِ ثریا پر پہنچانے والی کتاب ہے، بھولے بھٹکوں کو سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب ہے، بچھڑے ہوؤں کو اللہ سے ملانے والی کتاب ہے۔

یہ کتابِ ہدایت ہے۔

قرآن کے تین بڑے مقاصد:

اس کتاب کے تین بڑے مقاصد ہیں۔

پہلا ہے توحید، دوسرا ہے رسالت اور تیسرا ہے آخرت۔ توحید کا پیغام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ہی دن دیا جب کوہِ صفا پر سب کو اکٹھا کیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، قُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا)) [مسند احمد، رقم: ١٦٠٢٣]

''اے لوگو! ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔''

اور قرآن مجید میں بھی اللہ نے پہلے پارے میں یہی پیغام دوہرایا۔ ارشاد فرمایا:

﴿يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾﴾ [البقرة: ٢١]

''اے لوگو اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

﴿وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۖ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾﴾ [البقرة: ١٦٣]

''اور، تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔''

﴿اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ﴾ [البقرة: ٢٥٥]

''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو سدا زندہ ہے جو پوری کائنات سنبھالے

ہوئے ہے۔''

یعنی تھوڑے تھوڑے وقفے میں اللہ رب العزت نے توحید کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ﴾ [آلِ عمران: ۶۲]

''اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''

سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ﴾ [المائدۃ: ۷۳]

''حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔''

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ۖؗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝۱۲۹﴾ [التوبۃ: ۱۲۹]

''پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ: میرے لیے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔''

﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۲۲﴾ [النحل: ۲۲]

''تمہارا معبود تو بس ایک ہی خدا ہے۔ لہٰذا جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل میں انکار پیوست ہو گیا ہے، اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں۔''

﴿اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝۱۴﴾ [طٰہٰ: ۱۴]

''حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس لیے میری

عبادت کرو، اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔''

﴿قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۸﴾

[الانبیاء:۱۰۸]

''کہہ دو کہ: مجھ پر تو یہی وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ تو کیا تم اطاعت قبول کرتے ہو؟''

﴿فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ﴾ [الحج:۳۴]

''لہٰذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، چنانچہ تم اسی کی فرمان برداری کرو۔''

﴿اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ۝۴﴾ [الصافات:۴]

''تمہارا معبود ایک ہی ہے۔''

﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

[حم السجدة:۶]

''(اے پیغمبر) کہہ دو کہ میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ (البتہ) مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔''

تو آپ دیکھیے کہ ہر تھوڑے عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ توحید کا پیغام دیتے ہیں۔

پھر سورۃ محمد میں اللہ تعالیٰ نے کتنے خوبصورت انداز میں فرمایا:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [محمد:۱۹]

''لہٰذا (اے پیغمبر) یقین جانو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔''

سورہ حشر میں فرمایا:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ﴾ [الحشر:۲۲]

''وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

پھر سورہ اخلاص میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴾ [الاخلاص:۱]

''کہہ دو: بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔''

قرآن کا خلاصہ:

یہ پورے قرآن مجید کا اگر خلاصہ اور نچوڑ کہا جائے تو سورہ اخلاص بنتی ہے۔ جیسے Sum up (خلاصہ) کرتا ہے نا کوئی انسان تو اللہ تعالیٰ نے پوری تعلیمات کا نچوڑ بتا دیا ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' میں۔

قرآن کے معارف کو سمجھنے کی شرائط

اب قرآن مجید کے معارف کو سمجھنے کے لیے دو شرائط ہیں۔

پہلی شرط:

پہلی شرط زبان دانی یعنی زبان آتی ہو۔ یہ اصول یاد رکھیں کہ اردو پڑھنے والا بندہ قرآن کے معارف کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کی وہاں تک پہنچ ہی نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ السلام کو ان کی قوم کی زبان میں بھیجا۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ﴾

[ابراہیم:۴]

جو قوم کی زبان تھی اللہ نے اسی زبان والے نبی علیہ السلام کو بھیجا۔

جو لوگ کہتے ہیں نا کہ اردو پڑھ کے قرآن سمجھ لو۔ اردو سے قرآن سمجھ آ ہی نہیں سکتا۔ گہرائی تک بندہ پہنچ ہی نہیں سکتا۔ پہلی شرط ہے زبان دانی۔ تو زبان سیکھنی پڑے گی۔

دوسری شرط:

اور دوسری شرط ہے دل کی پاکیزگی۔ کہ دل بھی پاکیزہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ﴾ [الواقعۃ:۷۹]

قرآن مجید کو نہیں مس کر سکتے مگر وہ جو پاک ہوتے ہیں۔

جسم ناپاک ہوتو ظاہری قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتے اور دل ناپاک ہوتو معارف قرآن کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

جسم پر تاثیر بھی ہو:

معارف قرآن تک پہنچنے کے لیے جسم پر قرآن کی تاثیر کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ تاثیر ہر کسی پر نہیں ہوتی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے تو ان کے والد صاحب آئے (جن کا نام نور محمد رحمۃ اللہ علیہ تھا اور وہ صوفی ٹائپ آدمی تھے۔) انہوں نے کہا کہ بیٹا! کیا پڑھ رہے ہو؟ ابا جی! قرآن پڑھ رہا ہوں۔ بیٹا! قرآن مجید کو اس طرح پڑھو جس طرح تمہارے اوپر نازل ہو رہا ہو۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا کہ میرے ابو نے کیا بات کر دی؟ پھر بڑے ہو کر جب بات سمجھ میں آئی تو انہوں نے شعر لکھا:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

جب تک نزول کتاب نہ ہو اس وقت تک انسان کو قرآن مجید کے معارف سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ اب ان دو شرائط کے ساتھ ہم آج کا درس شروع کرتے ہیں۔

دس سورتیں سیرت کا خلاصہ:

اس دفعہ ہم نے سوچا کہ قرآن مجید کی آخری دس سورتیں جو اکثر لوگ نماز میں پڑھتے ہیں ان کا درس دیا جائے۔ تاکہ ہر بندے کو نماز پڑھتے ہوئے ان کے معانی سامنے رہیں اور نماز کا لطف بڑھ جائے۔ موٹی سی بات سمجھ لیجیے کہ آخری دس سورتیں ساری کی ساری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی سے ہی متعلق ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادتِ مبارکہ کہاں ہوئی اس کا تذکرہ سورۃ فیل میں ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کس قبیلے میں تھے وہ سورہ قریش میں ہے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے تو اردگرد کا ماحول کیسا تھا؟ سورۃ الماعون میں اس کا تذکرہ ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے کیا انعامات عطا فرمائے ان کو خیر کثیر عطا فرمائی اس کا تذکرہ سورۃ الکوثر میں ہے، پھر سورۃ الکافرون میں اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوٹوک اعلان کروا دیا شرک سے بیزاری کا اور اللہ کی عبادت کا۔

﴿لَآ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝٢ وَلَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَآ اَعۡبُدُ ۝٣﴾

تم عبادت نہیں کر سکتے جس کی میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کر سکتا ہوں جس کی تم کرتے ہو۔

پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے جو مدد عطا فرمائی اس کا سورۃ النصر میں تذکرہ ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہت ہی قریبی رشتہ دار تھا آپ کا چچا بہت خوبصورت تھا، بہت مالدار تھا مگر بہت ہی خبیث آدمی تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت ستاتا تھا۔ اور اس کی بیوی کا نام تھا ام جمیل، وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چچی تھی۔ وہ خباثت میں اور بڑھی ہوئی تھی، کفر میں اور بڑھی ہوئی تھی۔ اللہ نے سورۃ اللہب میں ان میاں بیوی کا تذکرہ کیا۔ جب یہ سارے تذکرے

ہو گئے تو سورۃ الاخلاص میں اللہ نے پورے قرآن کا نچوڑ اور لب لباب بتا دیا۔

اب حقیقت میں تو تعلیماتِ قرآن یہاں پر مکمل ہو گئیں۔ پھر اس کے بعد اللہ نے دو سورتیں اور عطا فرمائیں، ایک سورت الفلق، جسمانی بیماریوں سے بچنے کا علاج ہے اور سورۃ الناس روحانی بیماریوں سے بچنے کا علاج ہے، سورۃ الفلق دنیاوی پریشانیوں سے بچنے کا علاج ہے اور سورۃ الناس اخروی پریشانیوں سے بچنے کا علاج ہے۔ اس پر اللہ نے قرآن مجید کو آ کر مکمل فرمایا۔

آغازِ درس:

اب ہم سورۃ الناس سے سورۃ الفیل کی طرف دروس کا آغاز کریں گے۔

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①﴾ [الناس:۱]

آپ کہیے کہ میں پناہ (میں آتا ہوں) مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی۔

یعنی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو تعلیم دی گئی کہ اے محبوب! آپ کہیے کہ میں پناہ میں آتا ہوں انسانوں کے رب کی۔

''رب'' کہتے ہیں جو مربوب کو ابتدائی حال سے لے کر انتہائی حال تک پہنچائے۔ جیسے ایک پودہ ہوتا ہے تو مالی اس کا رب ہوتا ہے، اس کی دیکھ بھال کرتا ہے، اس کو پانی دیتا ہے، خوراک دیتا ہے۔ بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو ماں اس کی مربیہ ہوتی ہے۔ اس کی نگہداشت کرتی ہے، اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ حتی کہ بچہ جوان ہو جاتا ہے۔ تو رب سے مراد وہ ذات جس نے ہمیں پیدا کیا اور جس نے ہمیں زندگی میں درجہ بدرجہ تکمیل کے مراحل تک پہنچایا۔ یہ رب کا لفظ جو ہے یہ بڑا اہم ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی ابتدا میں دیکھیں تو بھی رب کا لفظ انتہاء میں دیکھیں تو بھی رب کا لفظ۔ ابتدا میں اللہ

فرماتے ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①﴾ [الفاتحۃ:۱]

جہانوں کا پروردگار۔

تو رب کا تذکرہ ہوا نا؟ اور آخر میں دیکھیں تو......

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①﴾ [الناس:۱]

یہاں بھی رب کا لفظ ہے۔ اب اس کی بھی تفصیل سمجھ لیجیے۔ عالمِ ارواح میں اللہ نے روحوں سے وعدہ لیا، پوچھا:

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ﴾ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ [الاعراف:۱۷۲]

﴿قَالُوْا بَلٰى ۛ﴾

سب نے جواب دیا: ''بلٰی'' اے اللہ آپ ہی ہمارے رب ہیں، پروردگار ہیں۔

آزمائش کے لیے دنیا میں بھیجا:

تو اب انسان اپنے وعدے میں کتنا سچا ہے؟ اس کو آزمانے کے لیے اللہ نے بندوں کو دنیا میں بھیج دیا۔ کہ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا میں جا کر تم کس کو رب مانتے ہو؟

آج غور کریں تو ہم بھولے ہوئے ہیں۔ جس سے پوچھو کہ بھئی تم کس سے پل رہے ہو؟ جی میں نوکری سے پل رہا ہوں۔ جی میں فیکٹری سے پل رہا ہوں، میں بزنس سے پل رہا ہوں۔ جی میں کھیتی باڑی سے پل رہا ہوں۔ حالانکہ یہ سب غلط ہے۔ ہمیں پالنے والا کون ہے؟ اللہ ہے۔ نظر اللہ پر رہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

ادھر ادھر ہماری توجہ ہوتی ہے اس طرف نہیں ہوتی کہ اللہ ہمیں پال رہا ہے۔ نوکری چھوٹ گئی تو ہم بھوکے مر جائیں گے؟ زراعت نہ ہوئی تو ہم بھوکے مر جائیں گے؟ نہیں! اللہ رب ہے وہ ہمیں رزق پہنچائے گا۔ آپ دیکھیے! سیلاب آیا کتنے لوگ گھر سے بے گھر ہو گئے، کتنے لوگوں کے کھیت اجڑ گئے پھر اللہ نے دوسرے بندوں کے دل میں ہمدردی پیدا کر دی اور وہ ان کو وہاں پر کھانا پہنچانے کے لیے پہنچ گئے۔ تو رزق اللہ پہنچاتا ہے۔ ہم نے ساری زندگی اس سبق کو پکا کرنا ہے اور پکا کر کے جب ہم دنیا سے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ امتحان لیں گے، فرشتہ آ کر پہلا سوال کرے گا: مَن رَّبُّکَ؟ تمہارا رب کون ہے؟ تو اس لیے رب کے لفظ کی اہمیت کو پہچان لیجیے۔ فرمایا:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١﴾ [الناس:١]

آپ کہیے کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی۔

﴿مَلِكِ النَّاسِ ۝٢﴾ [الناس:٢]

جو انسانوں کا بادشاہ ہے۔

﴿اِلٰهِ النَّاسِ ۝٣﴾ [الناس:٣]

جو انسانوں کا معبود ہے۔ اس سے پناہ مانگتا ہوں۔

یہ تین دفعہ کیوں کہا گیا؟ اس میں حکمت ہے۔ اس لیے کہ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے نا تو اس کو اپنی ماں کی تربیت کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے، ذرا سی چیز ہوتی ہے ''اماں'' پکارتا ہے اپنی ماں کو۔ تو انسان کو اپنے رب کی ضرورت ہے جو اس کا مربی ہے۔ آپ دیکھیں کہ اگر ماں کا نام فاطمہ ہو اور بچہ تکلیف میں کہے: فاطمہ، فاطمہ، تو کوئی دھیان ہی نہیں دے گا۔ لیکن جب بچہ اماں کہتا ہے یا ماما کہتا ہے تو ماں کی مامتا جاگتی ہے۔ اور ماں

بھی سمجھتی ہے کہ یہ میری ذمہ داری ہے۔ کتنی تھکی ہوئی ہو، کتنی مصروف ہو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے فوراً بچے کے پاس آجاتی ہے۔ تو جب ہم رب کے لفظ سے اللہ کو پکارتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حفاظت ہمیں اور زیادہ مل سکتی ہے۔

﴿مَلِكِ النَّاسِ ۝٢﴾ [الناس:٢]

جو انسانوں کا پروردگار ہے۔

اس لیے کہ جب انسان جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے تو نظم وضبط کے لیے اس کو بادشاہ کے قانون کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو مَلِک کو پکارا گیا۔ پھر جب انسان بوڑھا ہوجاتا ہے دنیا کو چھوڑ کر عبادت میں لگ جاتا ہے تو اس کو معبود کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو الٰہ الناس لے آئے۔

اب ترتیب ذہن میں رکھیے! رب کا لفظ بھی حفاظت کا تقاضا کرتا ہے، مَلِک کا لفظ بھی حفاظت کا تقاضا کرتا ہے اور الٰہ بھی حفاظت کا تقاضا کرتا ہے اور یہ تینوں صفتیں صرف اللہ تعالیٰ میں جمع ہیں اور کسی میں جمع ہو ہی نہیں سکتیں۔ تینوں صفتوں کی جامع اللہ رب العزت کی ذات ہے، کوئی اور ذات ان تینوں صفتوں کی جامع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا کامل حفاظت اگر ہمیں مل سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے مل سکتی ہے۔

اس لیے یہ کہنا سکھایا گیا کہ اے میرے بندو! یہ دعا کرو کہ اے انسانوں کے رب! اے انسانوں کے بادشاہ! اے انسانوں کے معبود! میں تیری حفاظت چاہتا ہوں۔ کس سے حفاظت چاہتا ہوں؟

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝٤﴾ [الناس:٤]

خناس کے وسوسوں کے شر سے۔

خناس کا مطلب:

''خناس'' کہتے ہیں پیچھے ہٹ جانے والا۔ شیطان کا نام اس لیے خناس رکھا گیا کہ یہ انسان کے دل میں برے خیال ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ شیطان دل کے قریب رہتا ہے اور جب انسان کو غافل پاتا ہے تو اپنا سونڈ ڈال کر اس کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ جس طرح مچھر اپنا سونڈ ڈال کر انسان کے جسم سے خون چوستا ہے تو یہ اس سے وسوسے ڈالتا ہے۔ اور جب انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ گویا کہ شیطان کو پیچھے ہٹانے کا جو ایک ہی نسخہ ہے وہ اللہ کی یاد ہے۔ جو انسان اللہ کو یاد کرتا ہے شیطان اس کے دل پر قبضہ نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ [الحجر:۴۲]

جو میرے بندے ہیں شیطان تیرا ان پر کوئی قابو نہیں۔

تو کنٹرول نہیں حاصل کرسکتا۔ وہ میرے بندے ہیں وہ مجھے یاد کرنے والے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ہر انسان کے دل میں دو خانے ہیں ایک خانے میں فرشتہ ہوتا ہے جو اسے نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور دوسرے میں شیطان ہوتا ہے جو اس میں وسوسے ڈالتا ہے۔ تو صحابی نے پوچھا اے اللہ کے حبیب! آپ کے اوپر بھی کوئی شیطان مسلط ہے؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں مگر اللہ نے میرے شیطان کو مسلمان بنادیا ہے۔ وہ مجھے بری بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ تو نبی کا درجہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیا بنایا۔

یہ جو رب کا لفظ ہے یہ ویسے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ''رَبُّ الْبَيْتِ'' (گھر کا

مالک) ''رَبُّ الدَّارِ، رَبُّ الْمَالِ'' (مال کا مالک) مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مخصوص کر دیا انسانوں کے ساتھ کہ جو انسانوں کا رب ہے۔

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② إِلَٰهِ النَّاسِ ③﴾

[الناس:۱،۲،۳]

نکتہ:

ایک اور نکتے پر بھی غور کیجیے گا: ناس کا لفظ اس سورت میں پانچ مرتبہ آیا ہے۔ پانچ دفعہ کیوں آیا؟ پہلی دفعہ آیا بچوں کے لیے ان کا رب اللہ ہے، دوسری مرتبہ آیا جوانوں کے لیے کہ ان کا رب بھی اللہ ہے، تیسری مرتبہ آیا بوڑھوں کے لیے کہ ان کا رب بھی اللہ ہے، چوتھی مرتبہ آیا نیک لوگوں کے لیے کہ شیطان ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور ان کو بہکاتا ہے اور پانچویں مرتبہ آیا برے لوگوں کے لیے کہ شیطان بروں کی برائی کو اور بڑھا دیتا ہے۔ پھر آخر میں فرمایا:

﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥﴾ [الناس:٦]

یہ خناس انسانوں میں سے بھی ہو سکتے ہیں اور جنوں میں سے بھی ہو سکتے ہیں۔ انسانوں میں سے بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں جو دیکھنے میں تو انسان ہوتے ہیں لیکن کام شیطان کا کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی شبہ کرے کہ جی شیطان تو نظر ہی نہیں آتا اور انسان تو سامنے نظر آتے ہیں وہ خناس کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ خناس اس طرح ہوتے ہیں کہ وہ سامنے آ کے بات کرتے ہیں اور بندے کے ذہن میں بدگمانی ڈال دیتے ہیں۔ ایک ہلکی سی زہر ڈال کے چلے جاتے ہیں پھر وہ زہر کام کرتا ہے اور بندہ برائی کی طرف چل پڑتا ہے۔

ایک بڑے آفیسر کا عبرتناک واقعہ:

چنانچہ بہت پہلے کی بات ہے کوئی چالیس پچاس سال پہلے کی۔ لاہور کے ایک بڑے آفیسر تھے، وہ ریٹائر ہوئے، بیعت ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے حج کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جی نہیں کیا۔ میں نے ترغیب دی کہ آپ پر حج فرض ہے اب آپ بیمار بھی ہیں تو بہتر ہے کہ حج کرلیں تاکہ فرائض پورے ہوجائیں۔ اس نے نیت کر لی، داڑھی بھی رکھ لی اور نیت بھی کرلی، بڑا تیار، بڑا جذبہ۔

پھر مجھے کچھ عرصے بعد پتہ چلا جی کہ اس نے حج کا ارادہ ترک کردیا ہے۔ میں بڑا حیران ہوا، میں نے فون پر پوچھا کہ حج کا ارادہ کیوں چھوڑا؟ تو اس کے رشتے داروں نے بتایا کہ اس کے بڑے بھائی ملنے آئے تھے اور انہوں نے آ کے اس سے کہا کہ دیکھ تو ہارٹ کا مریض ہے، تو نے سفر کا ارادہ کرلیا، ایسا نہ ہو کہ کہیں سڑک کے کنارے بے ہوش پڑا ہوا ہو۔ اور یہ فقرہ اس کے دل میں ایسا بیٹھ گیا کہ اس نے کہا کہ میں حج پر نہیں جاتا۔ وہ نہیں گیا۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ حج کے دو مہینے کے بعد اس کو ہارٹ اٹیک ہوا اور بغیر حج کے وہ بندہ مرگیا۔

تو یہ ہوتا ہے کہ وسوسے ڈال کے چلے جاتے ہیں اور دوسرے سے گناہ کا ارتکاب کروادیتے ہیں۔ اس لیے انسان بھی شیطان والا کام کرتا ہے۔

تعوذات میں فرق:

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے تعوذات میں فرق ہے۔ سورۃ الفلق میں ایک دفعہ بات کرکے تین شرور سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی:

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا

وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾﴾
[الفلق: ۱ تا ۵]

یعنی ایک مرتبہ تعوذ اور تین شرور سے پناہ سورۃ الناس میں تین مرتبہ تعوذ اور ایک شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾﴾ [الناس: ۱ تا ۴]

سورۃ الناس میں ایک شر سے پناہ مانگی گئی اور سورۃ الفلق میں تین شرور سے پناہ مانگی گئی، ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ سورۃ الفلق میں جس شر سے پناہ مانگی گئی یہ جسمانی شرور ہیں اور جسمانی شرور صرف انسان کو نہیں ہوتے حیوانوں کو بھی ہوتے ہیں۔ حیوان بھی بیمار ہوتے ہیں حیوانوں کو بھی پریشانیاں آتی ہیں لیکن روحانی بیماری کا تعلق صرف انسان کے ساتھ ہے۔

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾﴾ [الفلق: ۱، ۲]

﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾﴾ کیوں کہا؟ اس لیے کہ عالم دو ہیں عالم خلق اور عالم امر اور عالم امر میں شر نہیں ہے صرف عالم خلق میں شر ہے۔ اس لیے ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾﴾ فرمایا گیا۔

انجام کے اعتبار سے فرق:

اب انجام کا فرق دیکھیے کہ جو دنیاوی آفات ہیں ان کے ساتھ اگر کوئی بندہ مبتلا ہو تو اس کے لیے نجات ہے۔ مثلاً اگر دنیا کا دشمن مسلط ہو گیا اس کے خلاف لڑے گا یا غازی بنے گا یا شہید بنے گا، غازی بنا تو بھی کامیابی، شہید بنا تو بھی کامیابی۔ ہر حال میں مومن

کامیاب ہے لیکن جو شیطان ہے اس کے ساتھ معاملہ ذرا مختلف ہے۔ کوئی بندہ خوشامد سے شیطان کو راضی نہیں کر سکتا، اس لیے کہ خوشامد سے شیطان کو راضی کرنا کفر ہے۔ اور اگر اس کی بات مان جائے ہار جائے تو ویسے ہی زندگی کی بازی ہار گیا، تو ہر حال میں خسران ہی خسران ہے۔ چونکہ وہ بڑا نقصان ہے اس لیے اس پر اللہ نے پورے قرآن کا اختتام فرمایا۔

شیطان کا مکر کمزور:

ایک بات ذہن میں رکھیے کہ شیطان کے مکر سخت نہیں ہیں، کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ۝٧٦﴾ [النساء:٧٦]

شیطان کا مکر کمزور ہوتا ہے۔

شیطان صرف ذہن میں خیال ڈالتا ہے، کوئی ہاتھ پکڑ کے انسان سے گناہ تو نہیں کرواتا؟ وہ تو ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ نہ کریں تو اس وسوسے کا ہمیں کوئی نقصان نہیں۔

ابتداء اور انتہاء میں ربط:

پھر قرآن مجید کی ابتداء اور انتہاء کے اندر عجیب ربط ہے۔ سبحان اللہ!

آپ دیکھیں سورۃ الفاتحہ میں اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستے کے لیے مدد مانگی:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٥﴾ [الفاتحہ:٥]

سیدھے راستے پر چلنے کے لیے دو رکاوٹیں ہیں نفس اور شیطان۔ اور ''سورۃ

الناس ''میں ان دور کاوٹوں کا ہی تذکرہ کیا گیا کہ اے میرے بندے! اگر تم اللہ سے پناہ مانگو گے تو نفس اور شیطان کے مقابلے میں وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم سیدھے رستے کی زندگی گزارو گے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی ربط لکھا ہے کہ قرآن مجید کی ابتداء ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کی ''با'' سے ہوئی اور قرآن مجید کی انتہاء ''اَلنَّاس'' کی ''سین'' پر ہوئی اور ''ب'' اور ''سین'' کو ملائیں تو لفظ ''بس'' بنتا ہے۔بس کا مطلب یہ کہ قرآن مجید زندگی کی ہدایت کے لیے کافی وافی اور شافی کتاب ہے بس اس کے علاوہ کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کے معارف کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔
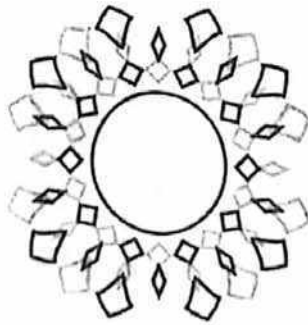
﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
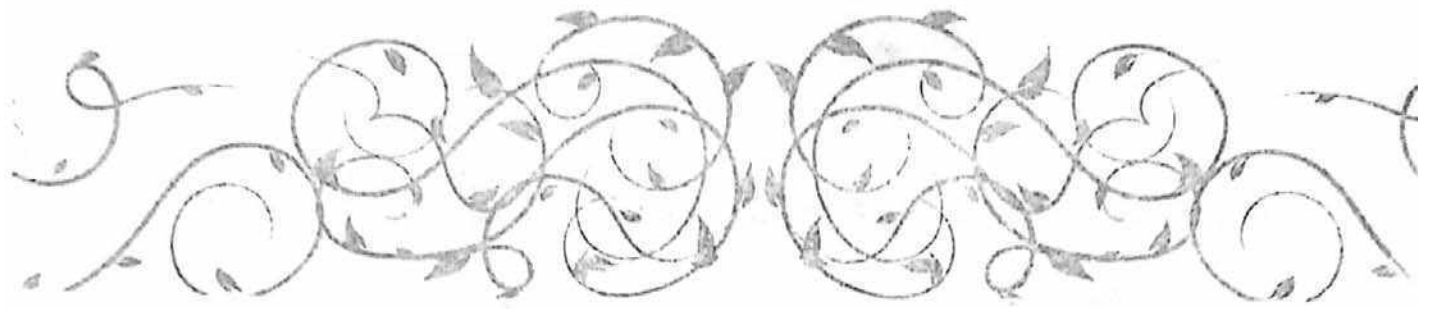
سورۃ الفلق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤﴾ [الفلق: ۱ تا ۵]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

آخری دس سورتوں کا مضمون:

گزشتہ کل ہم نے پڑھا کہ آخری سورتیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال احوال کے بارے میں
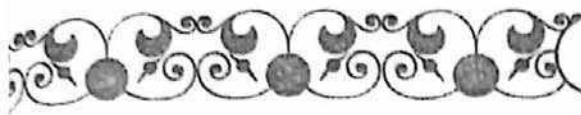
خصوصیت رکھتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جس سال میں پیدا ہوئے اس کو عام الفیل کہتے ہیں۔تو الم ترکیف میں اسی واقعہ کا تذکرہ ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کس قبیلے میں پیدا ہوئے اس کا تذکرہ سورۃ القریش میں ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جس ماحول میں تشریف لے آئے سورۃ الماعون میں اس کا تذکرہ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے کیا انعامات دیے کیا خیرِ کثیر عطا فرمائی سورۃ الکوثر میں اس کا تذکرہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ اب دوٹوک اعلان کر دو کہ میں شرک سے بیزار ہوں نہ تم میرے اللہ کی عبادت کر سکتے ہو نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرسکتا ہوں۔ یہ مضمون ''سورۃ الکافرون'' میں ہے۔ پھر اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نصرت فرمائی اس کا تذکرہ سورۃ النصر میں ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہت قریبی رشتہ دار تھا چچا دیکھنے میں بہت خوبصورت تھا بہت مالدار تھا مگر پرلے درجے کا خبیث اور کافر تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت تکلیف پہنچاتا تھا۔ اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا۔ وہ اپنے خاوند سے زیادہ خباثت میں بڑھی ہوئی تھی۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا پہنچاتی تھی۔ان کا تذکرہ ''سورۃ اللہب'' میں ہے۔اب یہ سب باتیں ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن کا خلاصہ سورۃ الاخلاص میں اتارا، سورۃ الاخلاص بندے کو خالص کرنے والی سورت توحید کا دوٹوک پیغام ''سورۃ الاخلاص'' میں ہے اس کو کہتے ہیں: جلب منفعت (نفع کو حاصل کرنا)۔

دیکھیے کہ قرآن مجید کا اختتام کتنے پیارے انداز میں ہورہا ہے کہ سب تعلیمات کے بعد اللہ نے ایک سورت اتاری جو جلبِ منفعت کا مصداق ہے۔جلبِ منفعت یعنی نفع کو حاصل کرنا۔

اس کے بعد دوسری چیز ہوتی ہے دفعِ مضرت (نقصان دینے والی چیزوں کو دور

کرنا)۔تو معوذتین کا تعلق دفعِ مضرت کے ساتھ ہے۔اب یہ بھی دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ترتیب کتنی پیاری ہے کہ پہلے جلبِ منفعت کا تذکرہ کیا، پھر دفعِ مضرت کا تذکرہ کیا۔اب انسان کو جو مضرت پہنچتی ہے نا اس کے ظاہری اسباب ہوتے ہیں نظرِ بد، سحر یعنی جادو، ان سے بچنے کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود فرما دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝١﴾

شانِ نزول:

ان سورتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک یہودی منافق تھا۔ یعنی ظاہراً اسلام لایا تھا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آتا جاتا تھا۔ اندر سے یہودی تھا۔ وہ اور اس کی بیٹیوں نے دشمنی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا۔ اس کا نام تھا لبید بن اعصم ۔ ہوا یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ دنوں میں یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ کوئی دنیاوی کام کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں۔ جیسے ایک بندے نے ایک کام کیا ہو اور وہ اس کو یاد ہی نہ ہو۔تو یہ ایک انہونی سی بات تھی۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے سر پر ایک بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ یہ کیفیت کل چھ مہینے رہی۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آج میں نے خواب دیکھا ہے کہ دو بندے آئے ان میں سے ایک میرے سرہانے کھڑا ہو گیا اور ایک میری پائنتی کی طرف، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ان کو کیا ہوا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو کیا گیا ہے۔اس نے پوچھا کہ جادو کس نے کیا ہے؟ کہا کہ لبید بن اعصم اور اس کی بیٹیوں نے۔ کیسے کیا؟ کہ فلاں چیز پر انہوں نے گرہیں لگائیں اور اس کو فلاں جگہ پر کنویں میں پتھر کے نیچے انہوں نے دبا دیا ہے۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو بھیجا اور اس چیز کو نکلوا لیا۔ اس میں گیارہ گرہیں

(گانٹھیں) لگی ہوئی تھیں۔ (یہ جو معوذتین "سورۃ الفلق اور سورۃ الناس" ہیں نا ان کی گیارہ آیات بنتی ہیں) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک آیت پڑھ کر ایک گرہ کو پھونک مارتے تھے اور اس کو کھولتے تھے تو آپ کی بیماری کم ہوتی گئی۔ حتی کہ گیارہ گرہیں کھولنے کے بعد بیماری ختم ہوگئی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے نجات عطا فرمائی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب! جادو کس نے کروایا ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نام بتا دیا۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے حبیب! آپ اعلان کیوں نہیں کروا دیتے کہ فلاں جو مسلمان بنا ہوا ہے وہ منافق ہے، اس نے میرے ساتھ یہ کیا ہے؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب اللہ نے مجھے شفا عطا فرما دی اب میں اپنی خاطر کسی کو تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

نکتہ:

یہاں سے ہمارے لیے ایک نکتہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی زیادتی کرے بھی سہی اور اللہ شفا دے دیتے ہیں تو اس چیز میں نہ پڑے کہ فلاں نے کیا کیا اور کیوں کیا۔ اللہ کے لیے اس کو معاف کر دے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دم کیا:

"بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ يُؤْذِيْكَ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ"

تو جبرئیل علیہ السلام نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دَم کیا اور پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکتے تھے اور ہاتھ پورے جسم پر پھیر لیتے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ دم کرنا شرعی چیز ہے، جائز ہے۔

معتزلہ کے اشکال کا جواب:

معتزلہ عقل پرست لوگ ہوتے ہیں، انہوں نے سحر کے ہونے کا انکار کیا ہے کہ جی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سحر اثر نہیں کرسکتا۔ تو اس کی تفصیل سن لیجیے کہ جو اسباب طبعیہ ہیں ان کا اثر سب پر ہوتا ہے۔ گناہ گار پر بھی ہوتا ہے، نیک پر بھی ہوتا ہے، ولی پر بھی ہوتا ہے، نبی پر بھی ہوتا ہے۔ اب دیکھیں کہ سردی اور گرمی جیسے عام انسان کو لگتی ہے وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی لگتی تھی، بھوک پیاس جیسے عام انسان کو لگتی ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی لگتی تھی۔ تو امورِ طبعیہ میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اور سحر کا اثر امورِ طبعیہ میں سے ہے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اثر کا ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ پھر معتزلہ یہ دلیل دیتے تھے کہ اگر جادو کا اثر ہو گیا تو کفار تو پہلے ہی کہتے تھے:

﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ [الفرقان:۸]

تو مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے جواب دیا کہ وہاں مسحوراً سے مراد مجنون تھا کہ یہ بندہ جس پر جادو ہو گیا ہے اب یہ پاگل ہو گیا ہے، اس لیے ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے۔

دوسری دلیل اور اس کا جواب:

پھر وہ دوسری دلیل دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا:

﴿وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدۃ:٦٧]

اللہ آپ کو انسانوں سے محفوظ فرمائے گا۔

تو جادو اس آیت کے خلاف ہے۔ علماء اہل سنت نے جواب دیا کہ خلاف نہیں ہے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ کا جو حفاظت کا وعدہ تھا وہ یہ تھا کہ کوئی آپ کو شہید نہیں کرسکتا، تکلیفیں تو پہنچتی ہیں۔ کیا غزوۂ احد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک شہید نہیں ہوئے؟

ہوئے، خیبر میں یہودیوں نے گوشت میں زہر ملا کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلا دیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید بخار ہوا، تو تکلیف تو ہوئی نا، تکلیف کا ہونا یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کے خلاف نہیں ہے۔ مگر کوئی بندہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید نہیں کر سکتا تھا۔ یہ حفاظت کا مطلب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر کے دکھا دی۔

اب ان دو سورتوں (معوذتین) کی ذرا آگے تفصیل سن لیجیے۔

ہر انسان کی ضرورت:

ہر انسان کو ان دونوں سورتوں کے منافع اور برکات کی ضرورت ہے۔ چونکہ یہ سورتیں نظرِ بد، سحر اور آفاتِ جسمانی اور امراضِ روحانی دور کرنے میں تاثیر رکھتی ہیں۔ اور انسان کو ان کی ضرورت سانس لینے سے بھی زیادہ ہے۔ یعنی سانس بند ہو جائے تو کوئی نقصان نہیں، موت ہو جائے گی نا، لیکن اگر انسان کا ایمان چلا گیا تو یہ بڑا نقصان ہے۔ تو معوذتین کی ضرورت انسان کو اس لیے بہت زیادہ ہے اور ہر انسان کو ہے۔ سورۃ الفلق میں دنیاوی آفات سے پناہ لینے کا طریقہ، سورۃ الناس میں اخروی آفات سے پناہ لینے کا طریقہ ہے۔ سورۃ الفلق میں جسمانی آفات سے پناہ لینے کا طریقہ اور سورۃ الناس میں روحانی آفات سے پناہ لینے کا طریقہ ہے۔

اور ایک اور مزے کی بات ہے۔ سورۃ الفلق میں ایک مرتبہ تعوذ ہے اور تین آفات سے پناہ مانگی گئی:

﴿مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾﴾ [الفلق: ۱ تا ۵]

تو تعوذ ایک مرتبہ اور جن سے پناہ مانگی گئی وہ چیزیں تین ہیں جبکہ سورۃ الناس میں

تین مرتبہ تعوذ ہے:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② إِلَٰهِ النَّاسِ ③﴾ [الناس:۱تا۳]

جس سے پناہ مانگی گئی وہ ایک چیز ہے:

﴿مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ④﴾ [الناس:۴]

فوائد:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

تمہیں کچھ خبر ہے کہ آج رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل فرمائیں کہ ان کی نظیر موجود نہیں اور وہ ہیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ رات کو جا رہا تھا کہ اچانک بہت تیز آندھی چل پڑی اور اس نے ہمیں گھیر لیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے ذریعے اللہ سے پناہ مانگنے لگے پھر فرمانے لگے: اے عقبہ! ان دونوں سورتوں کے ذریعے پناہ لو اس لیے کہ کوئی پناہ لینے والا ان دونوں سوتوں کے مثل سے پناہ نہیں لے سکتا۔

ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بارش اور سخت تاریکی والی رات نے گھیر لیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کہو۔ میں نے عرض کیا کہ کیا کہوں؟ فرمایا: "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" اور معوذتین صبح شام تین تین بار پڑھو تمہیں ان کا پڑھنا ہر چیز سے کفایت کرے گا۔

ہمیں بھی اپنی حفاظت کے لیے سورۃ الکافرون اور یہ تین سورتیں ہر روز پڑھنی چاہئیں اور حصار بنانا چاہیے۔ یہ ہمارے مشائخ کے درمیان ایک معمول چلا آ رہا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا: اے اللہ کے

نبی! میں تو اس حال میں سورۃ ہود اور سورۃ یوسف پڑھا کرتا ہوں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم سورۃ الفلق اور سورۃ الناس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے والی کوئی سورۃ بھی نہیں پڑھ سکتے۔

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایسی سورتیں نہ سکھاؤں جن کی مثل نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں ہے اور نہ ہی قرآن میں ہے۔ یعنی یہ دونوں سورتیں ایسی ہیں کہ ان جیسی سورت نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ قرآن میں، کسی بھی آسمانی کتاب میں ایسی اور سورتیں نہیں ہیں۔ اور وہ سورتیں ہیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس۔

نبی ﷺ نے ان صحابی کو معوذتین سکھائیں، پھر مغرب کی نماز میں دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ تو نبی ﷺ نے جو سورتوں کی تلاوت فرمائی یہ اس بات کی تعلیم تھی کہ یہ قرآن کا حصہ ہیں۔ چونکہ بعض لوگ جو معتزلہ تھے وہ کہتے تھے کہ قرآن سورۃ الاخلاص پر ختم ہو گیا باقی کوئی سورت نہیں ہے۔ تو جب نبی ﷺ نے نماز میں تلاوت فرما دی تو تصدیق ہو گئی کہ یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کا حصہ ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کو جب کوئی بیماری پیش آتی آپ ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر اپنے ہاتھ پر دَم کرتے اور پورے بدن پر پھیر لیتے۔ اب یہ ایسا عمل ہے جو ہم میں سے ہر مرد ہر عورت ہر انسان کر سکتا ہے، بچے بھی کر سکتے ہیں۔

تو ہم خواہ مخواہ تعویذ گنڈوں والے لوگوں کے پیچھے بھاگے پھرتے ہیں، پانی دم کرواتے پھرتے ہیں، جبکہ ہمارے پاس گھر کے اندر نسخہ موجود ہے۔

ایک روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا: ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرو۔ ہر نماز کے بعد سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھا کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام آفات ومصائب اور امراض میں یہ دونوں سورتیں پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم فرماتے تھے۔

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①﴾ [الفلق:۱]

آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

''فلق'' کہتے ہیں: پھاڑنے والا۔ پھاڑنے والے سے کیا مراد؟ عدم کے وجود کی تاریکیوں کو پھاڑ کر اس میں سے وجود کے نور کو برآمد کرنے والا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى﴾ [الانعام:۹۵]

اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانے کو اور گٹھلی کو۔

آپ دیکھیں! جب گٹھلی پھٹتی ہے تو اس سے پودا نکلتا ہے آم کا، جب گندم کا دانہ زمین میں پھٹتا ہے تو اس میں سے گندم کا پودا نکلتا ہے۔ تو جس طرح گٹھلی اور دانے سے اللہ تعالیٰ پودے اور نباتات کو نکالتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عدم کو پھاڑا اور اس میں سے اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اس لیے فرمایا: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ میں اس ذات کی پناہ مانگتا ہوں جو عدم کی تاریکی سے انسان کو وجود کا نور عطا کرنے والی ہے۔

آگے فرمایا:

﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ②﴾ [الفلق:۲]

عالم کی اقسام:

عالم دو قسم کے ہیں: عالم اَمر اور عالم خلق۔ عالم امر وہ جو کُن سے بنا۔ آسمان اور عرش کے اوپر کی سب چیزیں عالم امر سے ہیں۔ اور عالم خلق وہ جو تدریجاً بنا، وہ دنیا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رکھیں کہ عالم امر کے اندر شر نہیں ہے اور عالم خلق کے اندر شر ہے۔ اس لیے یہاں پر فرمایا:

﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝٢﴾ [الفلق: ٢]

(میں پناہ مانگتا ہوں اس ذات کی) خلق کے شر سے۔

﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝٣﴾ [الفلق: ٣]

''غاسق'' کہتے ہیں رات کی تاریکی کا پھیل جانا۔ آپ دیکھیں! اکثر آفات و بلیات رات میں آتی ہیں، چور ڈاکو بھی رات میں آتے ہیں، حشرات الارض، سانپ بچھو، رات میں زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ جنگل کے درندے بھی رات کو زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ تو تاریکی پھیلنے کے بعد چونکہ یہ آفات و بلیات بڑھ جاتی ہیں اس لیے اللہ کی پناہ مانگی گئی کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں رات کی تاریکی سے کہ وہ انسان کے لیے نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ پھر دوسری بات فرمائی:

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝٤﴾ [الفلق: ٤]

اور میں پناہ مانگتا ہوں ان مردوں اور عورتوں سے جو پڑھ پڑھ کر پھونک مارنے والی ہیں۔

یعنی جادو کرنے والی عورتیں۔ یہاں عورتوں کا تذکرہ اس لیے کیا گیا کہ عربوں میں جو مرد تھے وہ تو مجاہدانہ زندگی گزارنے والے تھے، لڑائی والی عورتیں گھروں میں بیٹھ کر دم درود کرتی تھیں۔ اور لبید کی لڑکیوں نے یہ دم درود کیا تھا۔ اس لیے یہاں پر صیغہ عورت کا لایا گیا ورنہ کوئی بھی جادو کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو وہ اس میں شامل ہیں۔

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝٥﴾ [الفلق: ٥]

اور حاسد کے حسد سے جب وہ حسد کرتا ہے۔

حسد کی تعریف:

حسد کس کو کہتے ہیں؟ حسد کہتے ہیں کہ کوئی بندہ کسی پر نعمت دیکھ کر دل میں جلے اور چاہے کہ یہ نعمت اس سے زائل ہو جائے اس کو حسد کہتے ہیں۔ اگر اس کی یہ تمنا ہو کہ جیسی نعمت اس کو ملی مجھے بھی مل جائے تو اس کو حسد نہیں کہتے، اس کو رشک کہتے ہیں، یہ جائز ہے۔ لیکن حسد ناجائز ہے۔ اس لیے کہ حسد کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو نعمت اس کو ملی نہیں، ملنی چاہیے تھی۔ یہ اللہ کی تقسیم پر اعتراض ہوتا ہے۔ اس لیے حسد ایک آگ ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ)) [ابنِ ماجہ، رقم: ۴۲۱۰]

جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر رکھ دیتی ہے حسد انسان کی نیکیوں کو اسی طرح جلا کر رکھ دیتا ہے۔

حسد کی نحوست:

تو حسد بہت بڑی بیماری ہے۔ اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ آسمان پر سب سے پہلا گناہ حسد کی وجہ سے ہوا۔ ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ حسد ہوا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا:

﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ [ص:۷۶]

"کہنے لگا: میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے۔"

تو میں اس کو کیسے سجدہ کروں؟ اس کو حسد تھا۔

اور زمین پر بھی پہلا گناہ حسد کی وجہ سے ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے قابیل اور ہابیل، ایک کی بیوی خوبصورت تھی اور دوسرا چاہتا تھا کہ مجھے مل جاتی تو اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔

آسمان پر بھی پہلا گناہ حسد کی وجہ سے ہوا اور زمین پر بھی پہلا گناہ حسد کی وجہ سے ہوا۔ اس لیے حسد بہت بڑی بیماری ہے اللہ تعالیٰ کی اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اور یہ حسد نیکوں میں بھی ہوتا ہے اور بروں میں تو بہت ہی ہوتا ہے۔

یہ پروفیشنل جیلسی تو ہر کسی کے اندر ہوتی ہے۔ آج کل آپ دیکھیں تو ہر شعبے میں آپ کو نظر آئے گی۔ پورے معاشرے میں حسد بہت زیادہ ہے۔ دنیا داروں اور مالداروں کا تو تذکرہ ہی کیا کرنا ہے۔ تو جتنی چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ان میں رات کی تاریکی سے کہ اس میں انسان کو بہت شر پہنچتا ہے۔ اور آپ دیکھیں کہ رات کی تاریکی میں گناہوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ یہ جو موبائل کا غلط استعمال ہے یا غلط کام ہیں یہ سب رات میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لیے رات کی تاریکی کے گناہوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ جادو اور جادوگروں سے بھی اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

اللہ کے ذکر کا فائدہ:

رشیا کی ایک عورت ہے جو آج کل دنیا میں سب سے بڑی جادوگر کہلاتی ہے۔ (ہمیں انٹرنیٹ سے یہ Information (معلومات) ملی) اس نے بیان دیا کہ میں ہر بندے کے ذہن کو اپنے کنٹرول میں کر سکتی ہوں لیکن جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں ان کے ذہن کو کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والے محفوظ ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ تعوذ کا سہارا لیں تو بالکل ہی محفوظ ہو جائیں گے۔ ان

پر کوئی جادوٹونہ اثر نہیں کرے گا۔

تو بہر حال بیماری میں، آفاتِ دنیویہ واخرویہ میں معوذتین بہت زیادہ تاثیر رکھتی ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم ان کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں اور خود ہی پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک لیا کریں۔ یہ ایسا عمل ہے جو ہر بندہ کرسکتا ہے۔ اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

بجائے اس کے کہ فوراً کسی کے پاس چلے جائیں اور بدعقیدہ بندہ ہمارا عقیدہ خراب کرے ہم خود ہی پڑھ کر دَم کرلیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں یہ تعلیم پہلے عطا فرمادی۔

قرآن مجید کی یہ خوبصورتی دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ''بسم اللہ'' سے شروع کیا اور والناس کی سین پر ختم کیا۔ اب قرآن مجید کے بعد ہمیں کسی اور کتاب ہدایت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کام مکمل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ
عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا

سُورۃ اِخلاص

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝٤﴾ [الاخلاص:۱ تا ۴]

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَي الْمُرْسَلِیْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
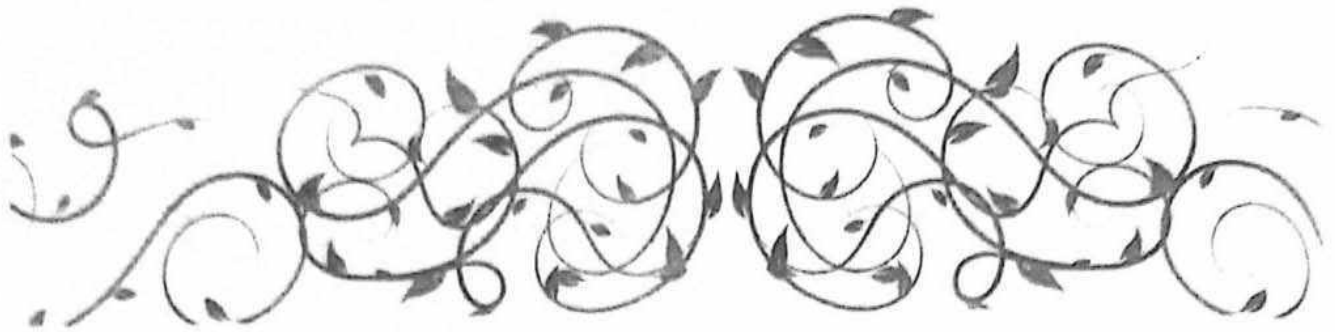
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

گزشتہ دروس کا خلاصہ:

گزشتہ دنوں میں ہم نے یہ پڑھا کہ ''سورۃ الفیل'' میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارکہ کے سال کا تذکرہ ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سید المرسلین رحمۃ للعالمین عام الفیل کے سال دنیا میں

تشریف لائے۔ یہ نعمت ملی، سعادت ملی۔ پھر آپ ﷺ کا قبیلہ کیا تھا؟ اس کا تذکرہ ''سورۃ قریش'' میں ہے۔ جب آپ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا تو اردگرد کا ماحول کیسا تھا؟ اس کا تذکرہ ''سورۃ الماعون'' میں ہے۔ پھر نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے کیا انعامات کیے، کیا خیرِ کثیر ان کو عطا فرمائی، اس کا تذکرہ سورۃ الکوثر میں ہے۔ یہاں پہنچ کر اللہ نے اپنے محبوب ﷺ سے دوٹوک اعلان کروایا جس کو بانگِ درا کہتے ہیں، برملا اعلان ببانگِ دہل اعلان کہ اے کافرو! تمہارے لیے تمہارا دین، میرے لیے میرا دین۔ اتنی وضاحت کے ساتھ شرک سے بیزاری اور توحید کا پیغام نبی علیہ السلام نے پہنچا دیا۔

پھر اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی کیسے کیسے مدد فرمائی، اس کا تذکرہ ''سورۃ النصر'' میں ہے۔ پھر آپ ﷺ کا ایک بہت ہی قریبی رشتہ دار تھا، چچا تھا، بہت خوبصورت تھا اور بہت مالدار تھا اس کے بچوں کے ساتھ نبی علیہ السلام کی رشتہ داریاں تھیں، بچیوں کے نکاح کیے ہوئے تھے، مگر وہ بڑا موذی انسان تھا اور نبی علیہ السلام کو بہت اذیت پہنچاتا تھا اس کی بیوی ام جمیل خباثت میں اس سے بڑھی ہوئی تھی۔ ان دونوں کے برے انجام کا تذکرہ ''سورۃ اللھب'' میں ہے۔ پھر اس کے بعد پورے قرآن مجید کا نچوڑ اور خلاصہ ''سورۃ الاخلاص'' میں ہے۔ اگر بالفرض قرآن مجید کو کشید کیا جائے تو جو پورے قرآن کا نچوڑ نکلے گا وہ ''سورۃ الاخلاص'' ہے۔

سورۃ الاخلاص:

آج سورۃ الاخلاص کے بارے میں ان شاء اللہ ہم بات کریں گے۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ آج تیئس (۲۳) کی رات بھی ہے اور جمعہ کی رات بھی ہے۔ سورۃ الاخلاص جلبِ منفعت سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کے بعد معوذتین دفعِ مضرت سے تعلق رکھتی

ہیں۔اب آجائیں اس سورت کی طرف!

اکثر مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اس کو مدنی قرار دیا ہے۔

یہ سورت ایک رکوع اور چار آیات پر مشتمل ہے۔

کل الفاظ 15 اور کل حروف 47 ہیں۔

سورت کا نام:

قرآن مجید کی 114 سورتوں میں سے 112 سورتیں ایسی ہیں جن کے نام کسی ایسے لفظ سے رکھے گئے ہیں جو اس سورت میں موجود ہیں، جیسے سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران، سورہ النساء۔

صرف 2 سورتیں ایسی ہیں جن کے نام کسی ذکر شدہ لفظ کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ سورت کے بنیادی مضمون کی وجہ سے رکھے گئے ہیں۔ایک سورۃ الفاتحہ اور ایک سورۃ الاخلاص۔

وجہ تسمیہ:

اس سورت کو چار بنیادی وجوہات کی بنا پر سورہ اخلاص کہا گیا ہے:

پہلی وجہ:

اس سورت کو اللہ نے اپنے لئے خاص کیا ہے، کیونکہ اس میں اللہ کی شان اور اس کی صفات کے سوا اور کچھ بیان نہیں ہوا ہے۔یعنی اسے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان کے لیے خالص کیا گیا ہے۔

دوسری وجہ:

کہ جو بندہ اس سورت کو اعتقاد کے ساتھ پڑھے گا تو اس کو توحید خالص نصیب ہوگی۔ گویا کہ اعتقاد میں اخلاص ہوگا۔

تیسری وجہ:

اس سورت کو یہ نام اِس کے معنی کے لحاظ سے دیا گیا ہے۔ یعنی جو بھی شخص اس کے معانی و مفہوم پر یقین رکھتے ہوئے پڑھے گا یا اس کو سمجھ کر اس کی تعلیم پر ایمان لے آئے گا وہ شرک سے خلاصی پا جائے گا۔

چوتھی وجہ:

اس سورت کو سورۃ اخلاص اس لیے بھی کہتے ہیں کہ جو بندہ اس اعتقاد کے ساتھ فوت ہوگا جو سورۃ اخلاص میں ہے وہ جہنم سے خلاصی پائے گا۔

سورۂ مبارکہ کے نام

عربوں میں یہ محاورہ ہے:

"كَثْرَةُ الْأَسْمَاءِ تَدُلُّ عَلٰى شَرَفِ الْمُسَمّٰى"

"کسی چیز کے ناموں کا زیادہ ہونا مسمی کی عظمت اور شرافت کی دلیل ہے۔"

کوئی چیز بہت عظیم ہو تو عربوں میں اس کے بڑے نام ہوتے ہیں۔ جیسے شیر کے سو سے زیادہ نام ہیں۔ گھوڑے کے نام درجنوں کے حساب سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھی ننانوے نام ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی ننانوے نام ہیں۔ تو جس چیز کی عظمت ہوتی ہے اس کے زیادہ نام ہوتے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ کے بہت سے نام ہیں جو اس کی عظمت شان اور مقام رفیع پر دلالت کرتے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

① ......سُوْرَةُ الْإِخْلَاصِ

بندے کے اندر اخلاص پیدا کرتی ہے۔

② ......سُوْرَةُ تَوْحِيْد

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر مشتمل ہے۔

③ ......سُوْرَةُ نَجَات

کیونکہ یہ بندے کو شرک سے نجات دلاتی ہے۔

④ ......سُوْرَةُ الْأَسَاسِ

کیونکہ یہ توحید پر مشتمل ہے اور توحید جملہ اعتقادات کی اساس ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۃ الاساس ہے۔

((رَوٰى أُبَيٌّ وَأَنَسٌ: أُسِسَتِ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرَضُوْنَ السَّبْعُ عَلٰى "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ")) [جامع الاحادیث، رقم: ۳۳۶۷]

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سات آسمان اور سات زمینوں کو "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔

⑤ ......سُوْرَةُ الْمَانِعَةِ

رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَعَالٰى قَالَ لِنَبِيِّهٖ حِيْنَ عُرِجَ بِهٖ: أَعْطَيْتُكَ سُوْرَةَ الْإِخْلَاصِ وَهِيَ مِنْ ذَخَائِرِ كُنُوْزِ عَرْشِي، وَهِيَ الْمَانِعَةُ تَمْنَعُ عَذَابَ الْقَبْرِ ولَفَحَاتِ النِّيْرَانِ.

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے معراج کے موقع پہ فرمایا: میں نے آپ کو سورۃ اخلاص عطا کی ہے، یہ میرے عرش کے خزانوں میں سے ہے اور یہ عذابِ قبر اور آگ کی گرمی سے بچانے والی ہے۔

⑥ ... سُورَةُ النَّجَاةِ؛ لِأَنَّهَا تُنْجِيْكَ عَنِ الْكُفْرِ فِي الدُّنْيَا، وعَنِ النَّارِ فِي الْآخِرَةِ.

کیونکہ یہ بندے کو دنیا میں کفر سے اور آخرت میں آگ سے نجات دلاتی ہے۔

⑦ ......سُورَةُ التَّفْرِيْدِ.

تفرید، توحید کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر مشتمل ہے۔

⑧ ......سُورَةُ التَّجْرِيْدِ.

اللہ تعالیٰ اُبُوّتْ (کسی کا باپ ہونا) اور بُنُوّتْ (کسی کا بیٹا ہونا) سے پاک اور مجرد ہے۔ اور اس سورت میں یہ عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

⑨ ......سورۃُ النُّوْرِ

کیونکہ اس سورت کا اعتقاد بندے کو نورِ ایمان سے منور کر دیتا ہے۔

⑩ ......سورۃُ الْاَمَانِ

کیونکہ یہ سورت بندے کو کفر و شرک سے امان عطا کرتی ہے۔

⑪ ... سُورَةُ الْوِلَايَةِ: لِأَنَّ مَنْ قَرَأَهَا صَارَ مِن أَوْلِيَاءَ اللهِ.

کیونکہ جو بندہ اس کو پڑھتا ہے اس کو ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔

⑫ ......سُورَةُ النِّسْبَةِ:

لِمَا رُوِیَ أَنَّهُ وَرَدَ جَوَابًا لِسُؤَالِ مَنْ قَالَ: اُنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ

یعنی یہ سورت مشرکین کے سوال کے جواب میں اُتری ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نسب کے بارے میں پوچھا تھا۔ اور اس سورت میں اس مضمون کو بیان کیا گیا اس لیے اس سورت کا نام ''سورۃ النسبۃ'' رکھا گیا۔

⑬ ......سُورَةُ الْمَعْرِفَةِ:

لِأَنَّ مَعْرِفَةَ اللّٰهِ لَا تَتِمُّ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ، رَوٰى جَابِرٌ أَنَّ رَجُلًا صَلّٰى فَقَرَأَ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ فَقَالَ النَّبِيُّ: إِنَّ هٰذَا عَبْدٌ عَرَفَ رَبَّهٗ.

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس سورت کی معرفت کی بدولت کامل ہوجاتی ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نماز پڑھی اور اس کے بعد ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بندے نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

⑭ ......سورة الْمُعَوِّذَةُ

رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنَ فَعَوَّذَهٗ بِهَا وَبِاللَّتَيْنِ بَعْدَهَا، ثُمَّ قَالَ: تَعَوَّذْ بِهِنَّ فَمَا تَعَوَّذْتَ بِخَيْرٍ مِّنْهُنَّ.

حضور ﷺ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہیں سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے ساتھ دم کیا۔ (آپ ذرا غور کیجیے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں وہ بیمار ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے ہیں اور یہ سورت پڑھ کر ان کو دم کرتے ہیں۔ تو پتہ چلا نا کہ دم کرنا ایک شرعی چیز ہے، اس کا شریعت میں ثبوت موجود ہے۔) اور پھر فرمایا کہ آپ ان تین سورتوں کے ساتھ اپنے آپ کو دم کیا کریں، کیونکہ میں نے ان سے بہتر سورتوں کے ساتھ کسی کو دم نہیں کیا۔ (تو ہم بھی اگر کسی بیمار کے پاس جائیں تو یہ تین سورتیں پڑھ کر اس کو دم کریں تا کہ اللہ اس کو

شفاعطافرمائے۔)

یہی وجہ ہے کہ معوذات لفظ جب بولا جاتا ہے تو سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے ساتھ سورۃ اخلاص کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔

15 ......سُوْرَةُ الْمُقَشْقَشَةِ

عربی زبان میں ''قَشْقَشَةٌ'' براءت اور بیزاری کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس میں پڑھنے والا شرک سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اس لیے مقشقشہ کہا گیا۔

16 ......سُوْرَةُ الصَّمَدِ:

کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صمدیت اور بے نیازی کا تذکرہ ہے۔

17 ......سُوْرَةُ الْمَحْضَرِ

لِأَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَحْضُرُ لِاسْتِمَاعِهَا إِذَا قُرِئَتْ.

کیونکہ اس سورت کو سننے کے لیے اللہ کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

18 ......سُوْرَةُ الْمُنَفِّرَةِ:

لِأَنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ عِنْدَ قِرَاءَتِهَا.

کیونکہ یہ سورت شیطان کو بھگا دیتی ہے۔

19 ......سُوْرَةُ الْبَرَاءَةِ:

((لِأَنَّهُ رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَقْرَأُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ، فَقَالَ: أَمَّا هٰذَا فَقَدْ بَرِئَ مِنَ الشِّرْكِ)) [تفسیر الالوسی]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ یہ سورت پڑھ رہا تھا۔ تو فرمایا کہ یہ بندہ شرک سے بری ہو گیا۔

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَن قَرَأَ سُورَةَ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ مِائَةَ مَرَّةٍ فِي صَلَاةٍ أَوْ فِي غَيْرِهَا كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ.

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ نماز میں یا غیر نماز میں 100 مرتبہ پڑھے تو اس کے لیے جہنم سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔

(20)......سُورَةُ المُذَكِّرَةِ لِأَنَّهَا تُذَكِّرُ الْعَبْدَ خَالِصَ التَّوْحِيدِ.

کیونکہ یہ سورت بندے کو توحیدِ خالص کی یاد دلاتی ہے۔

اب سوچیے کہ اس سورت کے بیس نام ہیں جو نبی علیہ السلام نے بتائے، تو کتنی عظیم سورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے۔ اور یہ ہر بندے کو یاد ہوتی ہے، ہر کلمہ گو کو یاد ہوتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جتنا جاہل ہو اَن پڑھ ہو اس کو سورۃ الاخلاص ضرور یاد ہوتی ہے اور اسی سے وہ نماز پڑھتا ہے۔

سَبَبُ نُزُولِهَا:

اس سورت کے شانِ نزول میں کئی اقوال وارد ہوئے ہیں:

① ......جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ رب العزت کے نسب کے بارے میں سوال کیا تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

② ...... یہودیوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق پیدا کی ہے، تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔

③ ......ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ یہودی جن میں کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب بھی تھے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: محمد! جس خدا نے تم کو بھیجا ہے اس کے اوصاف ہم سے بیان

کرو، اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔

④ ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا: ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ نے ملائکہ کو نور حجاب سے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو گوندھی ہوئی لیس دار مٹی سے اور ابلیس کو آگ کے شعلوں سے اور آسمان کو دھوئیں سے اور زمین کو پانی کے جھاگوں سے، اب اپنے رب کے متعلق بتاؤ (کہ وہ کس چیز سے بنا ہوا ہے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر جبرئیل علیہ السلام یہ سورت لے کر نازل ہوئے۔

⑤ ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ عامر نے عرض کیا: محمد! تم کس کی طرف ہم کو بلاتے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی طرف۔ عامر نے کہا: اپنے رب کی حالت تو بیان کرو۔ وہ سونے کا ہے، چاندی کا ہے، لوہے کا ہے یا لکڑی کا ہے؟ (کیونکہ وہ بت پرست تھے تو یہ سمجھتے تھے کہ خدا بھی بتوں میں سے ایک بت ہے۔) اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ بعد میں اربد پر بجلی گری اور اس طرح وہ مارا گیا اور عامر طاعون سے مرا۔

فضائل سورت اخلاص

اس سورت کے فضائل سن لیجیے تاکہ اس کی تفسیر پڑھنے کا ہمیں لطف آئے۔

① ...... یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے:

((عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيُغْلَبُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ كُلَّ لَيْلَةٍ؟ قُلْنَا: وَمَنْ يُطِيقُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: قُلْ

هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ثُلُثُ الْقُرْآنِ)) [مسند ابی داود، رقم: ۲۵۱]

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: کیا تم میں سے کوئی رات کو تین مرتبہ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہم نے کہا کہ اس کی کون طاقت رکھے گا؟ فرمایا: بیشک یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْشُدُوْا فَإِنِّي سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ قَالَ فَحَشَدَ مَنْ حَشَدَ ثُمَّ خَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ثُمَّ دَخَلَ فَقَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّي سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ إِنِّي لَأَرَى هَذَا خَبَرًا جَاءَ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ خَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي قُلْتُ سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ أَلَا وَإِنَّهَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ)) [ترمذی، رقم: ۲۹۰۰]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمع ہو جاؤ میں تم لوگوں کے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا، چنانچہ جو لوگ جمع ہو سکے جمع ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے اور سورت اخلاص پڑھی پھر واپس چلے گئے۔ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تہائی قرآن پڑھیں گے، میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان سے کوئی نئی چیز نازل ہونے کی وجہ سے اندر گئے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ تشریف لائے اور فرمایا میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تہائی قرآن پڑھوں گا۔ جان لو کہ یہ (یعنی سورت اخلاص) تہائی قرآن کے برابر ہے۔

یعنی جس نے تین مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھ لی اس نے گویا کہ پورا قرآن پڑھ لیا۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ

فَكَأَنَّمَا قَرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ، وَمَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ مَرَّتَيْنِ فَكَأَنَّمَا قَرَأَ ثُلُثَيِ الْقُرْآنِ، وَمَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَكَأَنَّمَا قَرَأَ جَمِيعَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ)) [فضائل سورۃ الاخلاص للحسن الخلال، رقم:۲]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھی گویا اس نے ایک تہائی قرآن پڑھا۔ اور جس نے ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' دو مرتبہ پڑھا تو گویا اس نے دو تہائی قرآن پڑھا۔ اور جس نے ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' تین مرتبہ پڑھا گویا اس نے سارا قرآن پڑھ لیا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا۔

ایک تہائی قرآن کے برابر کیوں؟

قرآن مجید کا بنیادی مقصد تین امور ہیں:

① ......اللہ کی معرفت ② ......صراط مستقیم کی معرفت ③ ......آخرت کی معرفت

چونکہ یہ سورت اللہ کی معرفت پر مشتمل ہے۔ گویا کہ قرآن کا ایک تہائی مقصد اس سورت کے ذریعے حاصل ہوا۔

② ......یہ سورت ہر شر اور پریشانی سے کفایت کر جاتی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خُبَيْبٍ قَالَ: خَرَجْنَا فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ وَظُلْمَةٍ شَدِيدَةٍ نَطْلُبُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَنَا قَالَ فَأَدْرَكْتُهُ فَقَالَ قُلْ فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا ثُمَّ قَالَ قُلْ فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا قَالَ قُلْ فَقُلْتُ مَا أَقُولُ قَالَ قُلْ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِينَ تُمْسِي وَتُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ)) [ترمذی، رقم:۳۵۷۵]

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم برسات کی اندھیری رات

میں نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلے تاکہ آپ ﷺ ہماری امامت کریں۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو تلاش کرلیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو، میں خاموش رہا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہو۔ میں اس مرتبہ بھی خاموش رہا۔تو آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ بھی فرمایا کہو، میں نے عرض کیا کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس صبح وشام تین تین مرتبہ پڑھا کرو۔ یہ تمہاری ہر چیز کے لے کافی ہیں۔

5 ......اس سورت کو پڑھنے والا اللہ کا محبوب ہوتا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلَى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهِ فِي صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوا ذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: سَلُوهُ لِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ؟ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ: لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّهُ

[مستخرج ابی عوانہ، رقم: ۳۹۵۰]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو جنگ پر بھیجا۔تو وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے وقت آیت قل ہو اللہ احد پڑھتا تھا۔ جب یہ لوگ واپس لوٹے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتائی۔تو آپ نے فرمایا اس سے پوچھا کس چیز کے سبب یہ کرتا ہے؟ انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا یہ رحمن کی صفت ہے اور میں پسند کرتا ہوں کہ میں اس کو پڑھوں وہ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور ان کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا اس کو بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

یعنی جو بندہ محبت سے سورۃ الاخلاص پڑھتا ہے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اندازہ تو لگایئے! ایک ہوتا ہے اللہ کا عاشق بننا اور ایک ہے اللہ کا محبوب بن جانا یہ تو بہت بڑی نعمت ہے نا......!!!

4 ...... یہ سورت جنت میں داخلے کا باعث ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءَ، فَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُورَةً يَقْرَأُهَا لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ مِمَّا يُقْرَأُ بِهِ افْتَتَحَ بِ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ) حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا، ثُمَّ يَقْرَأُ سُورَةً أُخْرَى مَعَهَا، وَكَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ وَقَالُوا: إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهٰذِهِ السُّورَةِ ثُمَّ لَا تَرَى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتَّى تَقْرَأَ بِأُخْرَى، فَإِمَّا أَنْ تَقْرَأَهَا، وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ أُخْرَى. فَقَالَ لَهُمْ: مَا أَنَا بِتَارِكِهَا، إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِذٰلِكَ فَعَلْتُ، وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ. وَكَانُوا يَرَوْنَهُ أَفْضَلَهُمْ وَكَرِهُوا أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ، فَلَمَّا أَتَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ فَقَالَ : يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ مِمَّا يَأْمُرُكَ أَصْحَابُكَ؟ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلَى لُزُومِ هٰذِهِ السُّورَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ؟ . فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُحِبُّهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ حُبَّهَا يُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ.)) [السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم:۲۴۶۵]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص مسجد قباء میں ہم لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب بھی نماز میں سورت فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھنے لگتے تو پہلے سورت اخلاص پڑھتے پھر کوئی سورت پڑھتے اور ہر رکعت میں اسی طرح کرتے۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا کیا آپ سورت اخلاص پڑھنے کے بعد یہ سوچتے ہیں کہ یہ کافی نہیں پھر دوسری بھی پڑھتے ہیں۔ یا تو آپ یہ سورت

پڑھ لیا کریں یا پھر کوئی اور سورہ، انہوں نے فرمایا میں اسے یہ ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ میں تمہاری امامت کروں تو ٹھیک ہے ورنہ میں چھوڑ دیتا ہوں۔ وہ لوگ انہیں اپنے میں سب سے افضل سمجھتے تھے، لہٰذا کسی اور کی امامت پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا اے فلاں! تمہیں اپنے دوستوں کی تجویز پر عمل کرنے سے کونسی چیز روکتی ہے اور کیا وجہ ہے کہ تم ہر رکعت میں سورت (یعنی سورت اخلاص) پڑھتے ہو۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں اس سورت سے محبت یقیناً جنت میں داخل کرے گی۔

((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ: مَرَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ، وَهُوَ يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، فَقَالَ: أَوْجَبَ هٰذَا، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ)) [المعجم الکبیر للطبرانی، رقم:۷۸۶۶]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے قریب سے گزرے جو ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ'' کی تلاوت کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے (جنت) واجب کر لی اور اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

5 ...... جنازے میں فرشتے شامل ہوتے ہیں:

((عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ بِتَبُوْكَ فَطَلَعَتِ الشَّمْسَ بِضِيَاءٍ وَشُعَاعٍ وَنُوْرٍ لَمْ أَرَهَا طَلَعَتْ فِيْمَا مَضٰى فَأَتَى جِبْرِيْلُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا جِبْرِيْلُ مَا لِيْ أَرَى الشَّمْسَ الْيَوْمَ طَلَعَتْ بِضِيَاءٍ وَنُوْرٍ وَشُعَاعٍ لَمْ أَرَهَا طَلَعَتْ فِيْمَا مَضَى. فَقَالَ: ذَاكَ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ مُعَاوِيَةَ

اللَّيْثِيَّ مَاتَ بِالْمَدِينَةِ الْيَوْمَ فَبَعَثَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ. قَالَ: وَفِيمَ ذَاكَ؟ .قَالَ: كَانَ يُكْثِرُ قِرَاءَةَ (قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ) بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِوفِي مَمْشَاهُ وَقِيَامِهٖ وَقُعُوْدِهٖ.)) [السنن الکبریٰ للبیہقی،رقم:۷۰۳۲]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تبوک میں تھے کہ ایک دن سورج روشنی، شعاعوں اور چمک کے ساتھ طلوع ہوا۔ اس سے پہلے ہم نے اس کواس حال میں نہ دیکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی روشنی اوراس کے نور سے تعجب فرمایا۔ اچانک آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا سورج کو کیا ہوا کہ یہ ایسے نور، روشنی اور شعاعوں کے ساتھ طلوع ہوا میں نے گذشتہ دنوں اسے اس طرح طلوع ہوتے نہیں دیکھا۔ تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا: معاویہ بن معاویہ اللیثی رضی اللہ عنہ کا آج مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ستر ہزار فرشتوں کو بھیجا ہے جوان پر نماز پڑھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ایسا کس سبب سے ہوا؟ اے جبریل! انہوں نے کہا کہ وہ ''قُلْ هُوَاللهُ اَحَدٌ'' کثرت سے پڑھتے تھے۔ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، چلتے ہوئے، رات اور دن کے اوقات میں اس کی کثرت کرتے تھے۔

⑥......جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ مَنْ جَاءَ بِهِنَّ مَعَ إِيْمَانٍ دَخَلَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ، وَزُوِّجَ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ كَمْ شَاءَ: مَنْ أَدَّى دَيْنًا خَفِيًّا، وَعَفَا عَنْ قَاتِلِهٖ، وَقَرَأَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ عَشْرَ مَرَّاتٍ: قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: أَوْ إِحْدَاهُنَّ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ فَقَالَ: أَوْ إِحْدَاهُنَّ)) [المعجم الاوسط للطبرانی،رقم:۳۳۶۱]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جو شخص مومن ہونے کی حالت میں انہیں لائے گا تو جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا اور حورِ عین میں سے جتنی سے چاہے گا اسے بطور بیوی مل جائیں گی۔ (وہ چیزیں یہ ہیں): جس نے مخفی طریقے سے کسی کا قرض ادا کیا، قاتل کو معاف کیا اور ہر فرض نماز کے بعد 10 مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر ایک مرتبہ پڑھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ ایک مرتبہ بھی پڑھے۔

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسِيْنَ مَرَّةً نُوْدِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ قَبْرِهِ قُمْ يَا مَادِحَ اللّٰهِ ، فَادْخُلِ الْجَنَّةَ)) [المعجم الصغیر للطبرانی، رقم: ۱۱۳۴]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" ہر دن پچاس مرتبہ پڑھا تو قیامت کے دن اس کو قبر سے اس طرح بلایا جائے گا اے اللہ کی تعریف کرنے والے اٹھ جا اور جنت میں داخل ہو جا۔ یعنی پروٹوکول کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائے گا۔

7 ......فقر اور تنگدستی دور ہو جاتی ہے:

((عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ حِيْنَ يَدْخُلُ مَنْزِلَهُ نَفَتِ الْفَقْرَ عَنْ أَهْلِ ذَلِكَ الْمَنْزِلِ وَالْجِيرَانِ)) [المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۲۴۱۹]

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھی تو اس کے گھر والوں اور پڑوسیوں سے فقر و افلاس کو دور کر دے گی۔

آج جس بندے کو دیکھو وہ غربت اور افلاس کا رونا رو رہا ہے اور قرآن عظیم الشان میں اللہ نے ہمیں کیا موتی عطا فرما دیے کہ جو شخص روزانہ اس سورت کو پڑھے گا اس سے اس کے گھر والوں سے اور اس کے پڑوسیوں سے اللہ تعالیٰ فقر اور تنگدستی کو دور کر دے گا۔

8 ......جنت میں محل تیار کیا جاتا ہے:

((وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَرَأَ قل هُوَ اللهُ أحد عشر مَرَّات بني لَهُ بِهَا قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَ عِشْرِينَ مَرَّةً بُنِيَ لَهُ بِهَا قَصْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثِينَ مَرَّةً بُنِيَ لَهُ بِهَا ثَلَاثَةُ قُصُورٍ فِي الْجَنَّةِ . فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا لَنُكَثِّرَنَّ قُصُورَنَا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُ أَوْسَعُ من ذٰلِك)) [مشکوۃ المصابیح، رقم:۲۱۸۵]

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے 10 مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی، اس کے بدلے اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دیا جائے گا، اور جس نے اسے 20 مرتبہ پڑھا، اس کے بدلے اس کے لیے جنت میں دو محل بنا دیئے جائیں گے، اور جس نے 30 مرتبہ پڑھی، اس کے بدلے اس کے لیے جنت میں تین محل دیئے جائیں گے۔ (ہر بندہ چاہتا ہے کہ میرا ڈیفنس میں محل ہو فلاں جگہ محل ہو۔) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر تو ہم اپنے محلوں کی تعداد میں ضرور اضافہ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے خزانے اس سے بھی وسیع ہیں۔

9 ......روئے زمین پر سب سے افضل بندہ:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ قَرَأَ: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ

بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ مَرَّةً فَكَأَنَّمَا قَرَأَ الْقُرْآنَ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ ، وَكَانَ أَفْضَلَ أَهْلِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ إِذَا اتَّقَى)) [المعجم الصغیر للطبرانی، رقم:۱۶۶]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' صبح کی نماز کے بعد بارہ دفعہ پڑھا گویا اس نے چار مرتبہ قرآن پڑھ لیا اور وہ اس دن روئے زمین کا افضل بندہ ہوگا بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔

(10) ...... 50 سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں:

((وَمَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ مِائَتَيْ مَرَّةٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ خَطِيئَةَ خَمْسِينَ سَنَةٍ إِذَا اجْتَنَبَ خِصَالا أَرْبَعًا: الدِّمَاءُ وَالْأَمْوَالُ وَالْفُرُوجُ وَالْأَشْرِبَةُ))

[جمع الجوامع، رقم:۸۰۸]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' دو سو مرتبہ پڑھے گا تو اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہوں گے بشرطیکہ وہ چار کاموں سے بچے ناحق خون، ناحق مال، حرام کاری اور شراب پینا۔

ترجمہ

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾

آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ یکتا ہے۔

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾

اللہ بے نیاز ہے۔ (یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔)

﴿لَمْ يَلِدْ﴾

اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

﴿وَلَمْ يُوْلَدْ﴾

اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ﴾

اور نہیں ہے اس کے لیے۔

﴿كُفُوًا اَحَدٌ﴾

کوئی ہمسر۔

تفسیر

''قُلْ'' (آپ کہہ دیجئے):

.....اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات و کمالات کو بیان کرنے کے لیے حضور ﷺ کو حکم دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود بھی بیان کرسکتے تھے۔ راز اس میں یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کی شان میں کفار نے گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے خود دفاع کیا، مثلاً:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ②﴾

[القلم:۱،۲]

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ②﴾ [النجم:۱،۲]

جب کفار نے اللہ کی شان میں گستاخی کی، اللہ کے لیے شریک کو ثابت کیا، اولاد کو ثابت کیا تو اللہ نے فرمایا کہ آپ نے مجھ سے عیوب کی نفی کرنی ہے تاکہ دوستی کا حق ادا ہو۔

.....لفظ ''قُلْ'' میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایمان صرف وہی معتبر ہے

جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کی روشنی میں بندہ اس کو تسلیم بھی کرلے۔ اگر کوئی آدمی اپنی عقل سے یا علامات سے اللہ کے وجود کو پہچان لے، اس کو معرفت تو کہہ سکتے ہیں، ایمان نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ معرفت، جاننے کا نام ہے اور ایمان، ماننے کا نام ہے۔ اور جاننا کافی نہیں، بلکہ ماننا ضروری ہے۔

.....لفظ ''قُلْ'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ لوگوں کو میری توحید کا پیغام دو۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اولین پیغام اللہ کی توحید کو بیان کرنا ہوتا تھا۔ کیونکہ توحید تمام اعتقادات کی بنیاد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلا پیغام جو قوم کو دیا تھا، وہ یہ تھا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ، قُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا)) [مسند احمد، رقم: ۱۶۰۲۳]

﴿هُوَ﴾

ضمیر شان ہے۔ اس کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے: ''بے شک بات یہ ہے۔''

.....اَحد اور واحد میں فرق:

اُردو زبان میں اگرچہ احد اور واحد کا فرق بیان نہیں کیا جاتا جبکہ حقیقت میں دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً

واحد میں تعدد کی نفی ہوتی ہے اور احد میں تجزی کی نفی ہوتی ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ واحد وہ ذات جو ایک ہو، اس کے ساتھ دوسرا اور تیسرا کوئی نہ ہو۔ اور احد وہ ذات جس کے اجزاء نہ ہوں،

مثلاً زید، کہ وہ واحد تو ہے لیکن احد نہیں ہے، کیونکہ اس کے اجزاء ہیں مثلا ہاتھ، پاؤں، سر اور دھڑ وغیرہ۔ یا یہ کہ زید آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے بنا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ واحد بھی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا تیسرا نہیں اور احد بھی ہے کہ نہ تو اس کے اجزاء ہیں اور نہ وہ کسی مادے سے بنا ہے۔ جیسا کہ مشرکین پوچھ رہے تھے کہ وہ سونے سے بنا ہوا ہے یا چاندی کا بنا ہوا ہے۔

﴿اللہ﴾

یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ہے۔ اور اکثر حضرات کے نزدیک یہی اسم اعظم ہے۔

''هُوَ عَلَمٌ لِّلذَّاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعِ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَال الْمُنَزَّهِ عَنِ النَّقْصِ وَ الزَّوَالِ''

یہ نام ہے اس ذات کا جو کہ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود لازم ہے، عدم کا امکان نہیں۔ جو صفاتِ کمالات کے لیے جامع ہے اور ہر قسم کے نقص اور زوال سے منزہ اور پاک ہے۔

﴿اَلصَّمَدُ﴾

اُردو زبان میں اس کا ترجمہ ''بے نیاز'' کے ساتھ کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ترجمہ اس لفظ کا حق ادا نہیں کرتا۔ کیونکہ بے نیاز کا معنی یہ ہے کہ جو سب سے بے پرواہو۔ جبکہ ''صَمَدٌ'' کا معنی یہ ہے کہ جو خود بے پرواہو اور لوگ اس سے بے پروا نہ ہو سکیں۔

''صَمَدٌ'' وہ مضبوط چٹان جس کو سہارا بنا کر کوئی جنگجو اپنے دشمن کے خلاف لڑتا ہے۔ بعد میں یہ لفظ ایسے سرداروں کے لیے استعمال ہونے لگا جو لوگوں کو پناہ دیتے تھے۔ پھر یہ لفظ مضبوط سہارے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

''صَمَدٌ'' کے مختلف معانی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں۔

❶ ......عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں

جس کی سرداری انتہاء کو پہنچ چکی ہو۔

2 ......سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صمد وہ ذات جس کی طرف ضرورت کے موقع پہ رجوع کیا جاتا ہے اور مصیبت کے وقت اس سے مدد لی جاتی ہے۔

3 ......صمد وہ ذات جو چاہے کرے، جو ارادہ ہو فیصلہ کرے، اس کے فیصلے کو کوئی چیلنج نہ کر سکے اور نہ اس کی قضا کو کوئی ٹھکرا سکے۔

4 ......یہ کہ اللہ تعالیٰ سردار ہے اور تمام حاجات میں اللہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

5 ......صمد جس سے بلند کوئی دوسری ہستی نہ ہو۔

6 ......وہ ہستی جو مخلوق کی فناء کے بعد بھی باقی رہے۔

7 ......جس کو موت نہ آئے، نہ کوئی اس کا وارث بن سکے، بلکہ وہ زمین و آسمان کا وارث ہے۔

8 ......وہ ذات جس کو نہ نیند آتی ہو، نہ بھول طاری ہوتی ہو۔

9 ......وہ ذات جس میں کوئی عیب نہ ہو۔

10 ......وہ ذات جس پر آفات نہ آئیں۔

11 ......جو ہمیشہ غالب رہے، کبھی مغلوب نہ ہو۔

12 ......وہ عظیم ذات جس سے کوئی دوسرا عظیم نہ ہو۔

13 ......ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام اقوال کا خلاصہ بیان کیا ہے:

اور تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ صمد وہ پروردگار جو سب سے بے پرواہ ہے، وہ کسی چیز کا محتاج نہیں اور سارے لوگ اس کے محتاج ہیں۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "اَللّٰہُ الصَّمَدُ" کے معنی میں نفس ہمیشہ تردد رہا کہ "اللہ بے نیاز ہے" سے دل کو تسکین نہ ہوتی۔ جیل میں شاہ

عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن مجید دیکھ رہا تھا کہ اچانک خیال آیا کہ دیکھیں شاہ صاحب کیا لکھتے ہیں؟ جب وہ جگہ نکالی تو حضرت نے ترجمہ کیا تھا: ''اللہ نرادھار ہے''۔ جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ یہ لفظ اس سے پہلے نہ میں نے پڑھا تھا، نہ سنا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ جیل میں ایک ہندو پنڈت بھی قید ہے، میں جیل کے ساتھی پنڈت بنکی شرما کے پاس گیا۔ وہ اپنے مذہب کا ایک عالم اور فاضل آدمی تھا۔ اس سے پوچھا کہ یہ لفظ کیا ہے؟ وہ سنتے ہی جھومنے لگا اور واہ واہ کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیے۔ میں نے چند لمحے انتظار کرنے کے بعد کہا: کیا عجیب آدمی ہیں۔ میں انتظار میں ہوں اور آپ اپنے ہی لطف لے رہے ہیں۔ مجھے بھی تو علم ہو کہ کیا ہے اور کیا معنیٰ ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ نراَدّھار (نر + اَدھ + دھار) یہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جس کا کام کسی بن نہ اڑے اور جس بن کسی کا کام نہ بنے۔ کہا: تب مجھے تسکین ہوئی اور یوں محسوس ہوا جیسے گمشدہ متاع مل گئی ہو۔

اللہ کے ناموں میں سے ''صمد'' ایک ایسا نام ہے جو بیک وقت تسبیح اور تحمید دونوں پر مشتمل ہے۔ یعنی ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے عیوب کی نفی کرتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور دوسری طرف اللہ کے لیے صفت ثابت کرتا ہے کہ لوگوں کا کارساز ہے۔

ہمارے مشائخ نے اپنی کتابوں میں دو لفظ استعمال کیے ہیں: باہمہ اور بے ہمہ یعنی اللہ مخلوق کے ساتھ بھی ہے اور مخلوق سے الگ بھی ہے۔ باہمہ کا کیا مطلب ہے؟ کہ سب کی ضروریات وہ پوری کرتا ہے اور بے ہمہ کا مطلب کہ اس کو کوئی حاجت نہیں کہ کوئی اس کی ضرورت کو پورا کرے۔ پھر آگے فرمایا:

﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۳﴾ [الاخلاص: ۳]

اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو جنا اور نہ کسی نے اللہ کو جنا۔

چونکہ مشرکین نے اللہ تعالی کے نسب نامہ کے بارے میں پوچھا تھا، اللہ نے اس کا جواب دیا کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا ہے۔

کیونکہ اگر ہم کہیں کہ اللہ کی کوئی اولاد ہے تو یہ احد کے منافی ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ کسی کا بیٹا ہے تو یہ صمد کے منافی ہے، کیونکہ بیٹا اپنے وجود میں باپ کا محتاج ہوتا ہے۔

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ [الاخلاص: ۴]

اور نہیں ہے کوئی اس کا ہمسر۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے "کفواً" کی تفسیر میں فرمایا کہ نہ کوئی اس کا مثل ہے اور نہ کوئی اس کے برابر۔

یعنی اللہ کے برابر یا اللہ کا مثل کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ: ۱۱]

کوئی اس کے مثل نہیں ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں "کفواً" سے مراد بیوی ہے۔ کیونکہ نکاح عام طور پہ کفو کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تو اس آیت میں بیوی کی نفی کی ہے۔

❁..... اس سورت میں ۴ آیتیں ہیں اور ہر آیت نے اللہ کے لیے کمالات کو ثابت کیا اور عیوب کی نفی کی۔ مثلاً

پہلی آیت نے وحدانیت کو ثابت کیا اور تعدد کی نفی کی، فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾

دوسری آیت نے کمال کو ثابت کیا اور عجز کی نفی کی۔ فرمایا:

﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾

تیسری آیت نے دوام اور بقاء کو ثابت کیا اور تولد اور فناء کی نفی کی۔ فرمایا:

﴿لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾

چوتھی آیت نے عظمت وکبریائی کو ثابت کیا اور مثل کی نفی کی۔فرمایا:

﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ﴾

......بعض اہل علم نے فرمایا اس سورت نے شرک کی جڑوں کو کاٹ کے رکھ دیا۔ کیونکہ شرک...

...کبھی عدد میں ہوتا ہے،لفظ ''اَحَدٌ'' کے ساتھ اس کی نفی کردی۔

...کبھی مرتبہ ومنصب میں ہوتا ہے تو لفظ ''اَلصَّمَدُ'' کے ساتھ نفی کردی۔

...کبھی حسب نسب میں شرک ہوتا ہے تو﴿لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾ کے ساتھ نفی کردی۔

...کبھی کام اور اختیار میں ہوتا ہے تو﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ﴾ سے نفی کردی۔

......اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں 6 طرح کے اعتقادات پائے جاتے ہیں:

(1)......دہریہ۔مطلقاً اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرتے ہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں آچکی ہے۔''قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ'' کے ساتھ اللہ کے وجود کو ثابت کیا اور ان کی تردید کردی۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کو واجب الوجود کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اصل وجود رکھتے ہیں باقی ہر چیز کو وجود اللہ کی وجہ سے ہے۔فارسی زبان کا لفظ ہے: خدا خدا کا معنیٰ ہے خود آ یعنی جو خود بنا اس کو کسی نے بنایا نہیں۔تو اللہ نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کائنات کو وہی چلا رہے ہیں۔

(2)......فلاسفہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کائنات کا بنانے والا کوئی ہے لیکن اس کی کوئی صفت نہیں ہے،اس نے کائنات بنائی اور فارغ ہوگیا۔اب نظام خود بخود چل رہا ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کر کے ان کی تردید کردی۔

❸ ...... مشرکین اور ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس کائنات میں بہت سارے خدا ہیں جو نظام چلا رہے ہیں۔لفظ ''اَحَدٌ'' کہہ کے ان کی تردید کردی۔

❹ ...... یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ اس کائنات کو بنانے والے کے دوسری مخلوق کی طرح بیوی اور بچے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانا، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور مریم کو اللہ کی بیوی مانا۔مشرکین نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تسلیم کیا۔﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ نے سب کی تردید کرلی۔

❺ ...... مجوس کا یہ عقیدہ ہے کہ اس دنیا میں خیر کا خالق الگ ہے اور شر کا خالق الگ۔ خیر کا خالق ''یزدان'' کہلایا جاتا ہے اور شر کا خالق ''اہرمن''۔اور دونوں کے درمیان ہر وقت کھینچا تانی لگی رہتی ہے۔کبھی ایک غالب آتا ہے تو کبھی دوسرا۔اس سورت نے ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ کہہ کے ان کی تردید کردی۔اور فرمایا کہ نہیں اللہ ایک ہے اس جیسا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورت نے دنیا کے تمام بدعقیدہ لوگوں کے اعتقادات کی نفی کردی۔اس کی جامعیت کا اندازہ لگایئے۔

سورت اخلاص سے حاصل ہونے والا سبق

اب میں اس سورت کے مضمون کو سمجھنے کے لیے ذرا اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ الفاظ ہیں مشائخ صوفیاء کے مگر اپنا مطلب سمجھنے کے لیے میں ان کو استعمال کروں گا۔ پھر تو یہ تمہاری جلدی یاد ہو جائے گی۔وہ کیسے کہ پہلی آیت ہے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ یہ سبق توحید وجودی، اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہیں اور اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں، اس کو

توحید وجودی کہتے ہیں۔

یہ مشائخِ صوفیاء کی تشریح نہیں، یہ میں الفاظ ان کے استعمال کر رہا ہوں اپنے مضمون کو آسان بنانے کے لیے، سمجھانے کے لیے۔ تو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ میں توحید وجودی کا تذکرہ، پھر اللہ الصمد، اللہ بے نیاز ہے۔ اس کو کہتے ہیں توحید شہودی، مشاہدے سے ہے۔

اب آپ بتایئے کہ کیا آپ کا مشاہدہ ہے کہ اللہ سب کی حاجات کو پورا کرتا ہے؟ کوئی بندہ ایسا ہے کہ جو کہے کہ میری حاجات اللہ پوری نہیں کرتا؟ اللہ کو ہماری ضرورت ہے؟ اور ہمیں اللہ کی ضرورت ہے نا؟ تو گویا کہ مشاہدے میں یہ بات آئی کہ اللہ ایک ہی ہے۔

پھر ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ اس کو توحیدِ ذاتی کہتے ہیں کہ نہ اللہ نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اللہ کو جنا۔ یہ مضمون کیا کہلاتا ہے؟ توحید ذاتی۔ پھر ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ یہ ہے توحیدِ صفاتی۔

چار نام یاد کرلیں، آپ کو پوری سورت کا خلاصہ فوراً ذہن میں آجائے گا۔ توحیدِ وجودی، توحیدِ شہودی، توحیدِ ذاتی اور توحید صفاتی۔ چار آیات نے پوری تعلیمات کو اپنے اندر بند کرلیا۔

سورت اخلاص کے اسباق:

سورت اخلاص سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے......

کہ ہم اللہ کو ایک مانیں۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

ہمارے معاشرے میں بہت جلدی لوگ دوسروں کی طرف دھیان کر لیتے ہیں۔ ضعیف الاعتقاد ہیں نا...... چنانچہ اپنی حاجات اللہ کے علاوہ اولیاء سے مانگتے ہیں، قبروں سے مانگتے ہیں، پتہ نہیں کیا کیا کرتے ہیں۔

میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بندہ ملتزم سے لپٹ کر دعائیں مانگ رہا تھا اور میں بھی انتظار میں تھا کہ مجھے ملتزم پر جگہ ملے۔ جب وہ ملتزم سے ہٹا تو اس نے وہیں پہ کھڑے کھڑے فون کیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ دیکھو! دعائیں تو میں بھی کر رہا ہوں، لیکن تم اتنا کچھ لے کر داتا دربار چلی جاؤ، وہاں جا کر دعا کرو کہ اللہ میرا اقامہ کا کام کروا دے۔

بیت اللہ کے پاس کھڑا ہے اور وہاں سے بیوی کو کہہ رہا ہے کہ داتا دربار جا کر یہ چیز دو اور یہ دعا مانگو کہ اللہ ہمارا کام کر دے۔ تو ضعیف الاعتقادی کا یہ حال ہے۔ لوگ بظاہر توحید کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن ان کے کام عقیدۂ توحید کے منافی ہوتے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ﴾

"اور اللہ ہی تنگی پیدا کرتا ہے، اور وہی وسعت دیتا ہے۔"

لوگ مانتے ہیں کہ اللہ ایک ہے، لیکن پھر بھی سمجھتے ہیں کہ کائنات کا نظام چلانے میں مخلوق کا عمل دخل ہے۔ چنانچہ اگر کسی کا کاروبار ٹھپ ہو جائے تو کہتے ہیں: کسی نے کاروبار باندھ لیا ہے۔ اولاد نہیں ہو رہی تو کہتے ہیں کہ کسی نے بندش کی ہوئی ہے۔ رشتے نہیں آتے تو کہتے ہیں کہ کسی نے بندش کی ہوئی ہے۔ بھئی! کوئی نہیں باندھ سکتا ہے، اللہ کی منشا ہے جو ہوگا۔ اللہ کے علاوہ کوئی باندھنے والا اور کھولنے والا نہیں ہے۔

ہماری سوچ یہ ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ صرف وہی خود مختار ہے۔ اپنی مرضی سے نظام چلا رہا ہے، وہ بے نیاز ہے، کوئی بندہ اس کے نظام میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ ہر مشکل میں اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور اپنے تمام امور اللہ کے حوالے کرنے چاہئیں۔ اس کو توحید کامل کہتے ہیں۔ اور یہی توحید
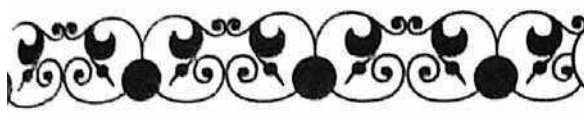
بندے کو عزت و رفعت عطا کرتی ہے۔ در در کی ٹھوکریں کھانے سے بندہ بچ جاتا ہے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ایک اللہ کے در پر جھکیں، آپ ذرا غور کیجیے گا، علمی نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کو ہاتھ نہیں دیے، گائے بھینس بکری اونٹ، کسی کے ہاتھ نہیں ہیں، وہ کھانے کے لیے اپنا سر نیچے جھکاتے ہیں اور پھر چارہ کھاتے ہیں، انسان کو اللہ نے ایسے نہیں بنایا بلکہ اللہ نے ہاتھ دیے ہیں، میرے بندے! تیرا سر میرے سامنے جھکنے کے لیے ہے، میں نہیں چاہتا کہ یہ کھانے کے لیے نیچے جھکے کھانا، تیرے منہ تک میں پہنچا دوں گا۔

شاعر کے بہت پیارے شعر ہیں:

تیرے در سے بھی نبھائے درِ غیر کو بھی چاہے
میرے سر کو یہ اجازت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی

تیرا نام تک بھلا دوں تیری یاد تک مٹا دوں
مجھے اس طرح کی جرات کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی

میں یہ جانتے ہوئے بھی تیری انجمن میں آیا
کہ تجھے میری ضرورت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی

تو اگر نظر ملائے میرا دم نکل ہی جائے
تجھے دیکھنے کی ہمت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی

جو گلہ کیا ہے تجھ سے تو سمجھ کے تم کو اپنا
مجھے غیر سے شکایت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی

تیرا حسن ہے یگانہ تیرے ساتھ ہے زمانہ

؎ میرے ساتھ میری قسمت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی
یہ کرم ہے دوستوں کا وہ جو کہہ رہے ہیں سب سے
کہ نصیر یہ عنایت کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی

حقیقت یہ ہے کہ

...جس کو ایک در پہ جھکنا آ گیا اسے در در پہ نہیں جھکنا پڑتا۔

...جسے ایک ذات کے سامنے رونا آ گیا اسے ہر ایک کے سامنے جا کر نہیں رونا پڑتا۔

جسے ایک رب کے سامنے دل کا دُکھڑا سنانا آ گیا اسے در در پہ دُکھڑے نہیں سنانے پڑتے۔

علامہ اقبال نے خوبصورت شعر کہا ہے:

؎ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ایک اللہ کے سامنے سجدہ کر لو ہزار سجدوں سے نجات مل جائے گی۔

اس کے بالمقابل جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر مخلوق سے امیدیں باندھتے ہیں ان کو ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۤءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾

''اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر یا تو پرندے اسے اچک لے جائیں، یا ہوا اسے کہیں دور دراز کی جگہ لا پھینکے۔''

سر ایک ہے اور ایک ذات کے سامنے جھکانے کے لئے اللہ نے عطا کیا ہے۔

سر جس پہ نہ جھک جائے اسے در نہیں کہتے
در در پہ جو جھک جائے اسے سر نہیں کہتے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو جو نصیحت فرمائی تھی۔ اس سے توحید کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظْ اللَّهَ يَحْفَظْكَ احْفَظْ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلْ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوْ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتْ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتْ الصُّحُفُ.

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ (سواری پر) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں وہ یہ کہ ہمیشہ اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور اگر مدد طلب کرو تو صرف اسی سے مدد طلب کرو اور جان لو کہ اگر پوری امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائیں تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا۔ اس لئے کہ قلم اٹھا دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔''

یعنی اللہ نے تقدیر لکھ دی ہے اور جو لکھ دیا ہے اسے ہو کر رہنا ہے کسی اور کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

سورۃ اخلاص کے خواص

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواب میں سورۃ اخلاص پڑھنے کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بندہ دونوں جہان کی مراد پائے گا۔

بعض حضرات نے کہا کہ خواب میں سورت اخلاص پڑھنا احکامِ الٰہیہ کی پیروی کی دلیل ہے۔

سورۃ اخلاص روزانہ 313 مرتبہ پڑھنے سے فقر اور تنگدستی دور ہو جاتی ہے۔

اب جو لوگ کاروبار کی پریشانی قرضوں کی پریشانی، غربت اور پریشانیاں رکھتے ہیں ۳۱۳ مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھ لیں اللہ تعالیٰ فقر اور پریشانی کو دور فرمادیں گے۔

اگر کوئی بندہ بے گناہ جیل میں قید ہے تو 1000 مرتبہ یہ سورت پڑھ لے تو ان شاء اللہ رہائی ملے گی۔

بہت سے لوگ مجھے خط لکھتے ہیں کہ میرا بھائی جیل میں ہے میرا فلاں رشتہ دار جیل میں ہے فلاں جیل میں ہے تو بھئی! یہ وظیفہ جو نبی علیہ السلام نے بتایا سن لیجیے کہ ایک ہزار مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھ لیجیے اللہ تعالیٰ جیل سے رہائی عطا فرمائیں گے۔

اب کوئی بندہ اپنے دل کی وجہ سے پریشان ہو کہ میرے دل کے خیالات اچھے نہیں اور وہ چاہے کہ میرا دل ٹھیک ہو جائے وہ روزانہ ہر نماز کے بعد پابندی سے اس سورت کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت عطا فرمائیں گے۔

اپنے دل میں اخلاص پیدا کرنے کے لیے یہ سورت پڑھتے رہنا انتہائی مجرب ہے۔
اللہ تعالیٰ اس عظیم سورت کو سمجھنے کی اور اس کے مضمون کو دل میں اتارنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾
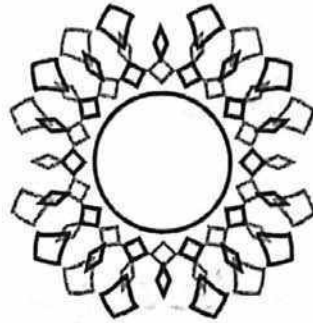
سورت لہب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①﴾

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

آخری دس سورتوں کا سیرت کے ساتھ تعلق:

قرآن مجید کی آخری دس سورتوں کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ واقعہ فیل جس سال ہوا اسی سال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ہوئی۔ اللہ کے حبیب ﷺ سید المرسلین رحمۃ للعالمین دنیا میں تشریف لائے اور اللہ نے انسانوں پر

مہربانی فرمائی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جس سال میں پیدا ہوئے اس کو عام الفیل کہتے ہیں ۔تو سورۃ الفیل میں اسی واقعہ کا تذکرہ ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کس قبیلے میں پیدا ہوئے اس کا تذکرہ سورۃ قریش میں ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جس ماحول میں تشریف لے آئے سورۃ الماعون میں اس کا تذکرہ، پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے کن انعامات سے نوازا، کیا خیرِ کثیر عطا فرمائی سورۃ الکوثر میں اس کا تذکرہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ اب آپ توحید کا اور شرک سے بیزاری کا دوٹوک اعلان کر دیجیے کہ نہ تم میرے اللہ کی عبادت کر سکتے ہو نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کر سکتا ہوں۔ یہ مضمون سورۃ الکافرون میں ہے۔ پھر اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نصرت فرمائی اس کا تذکرہ سورۃ النصر میں ہے۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہت قریبی رشتہ دار تھا جس کی تفصیل آج ہم پڑھیں گے۔ چچا تھا اتنا قریبی رشتہ دار تھا۔ مگر وہ آپ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ نام تھا اس کا عبد العزیٰ عزیٰ ایک بت کا نام ہے۔

﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾﴾ [النجم:۱۹، ۲۰]

مگر اس کی کنیت ابولہب تھی۔ لہب عربی میں شعلے کو کہتے ہیں۔ وہ اتنا گورا چٹا تھا اور سرخ وسفید تھا کہ لوگ اس کا نام لہب پکارتے تھے۔ اس کی شخصیت سے بڑے متاثر ہوتے تھے۔ چونکہ قریش کا سردار بھی تھا اور بڑا مالدار بھی تھا۔ وہ اور اس کی بیوی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت مخالفت کرتی تھی، ان کا تذکرہ سورۃ اللہب میں آ گیا۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن کا خلاصہ سورۃ الاخلاص میں اتارا، سورۃ الاخلاص بندے کو خالص کرنے والی سورت، توحید کا دوٹوک پیغام سورۃ الاخلاص میں ہے۔

اگر ہم سورۃ الاخلاص کا نچوڑ نکالنا چاہیں تو چار باتیں ہیں۔ چار ہی آیات ہیں۔ ایک ہے توحیدِ وجودی، ایک ہے توحیدِ شہودی، تیسری ہے توحیدِ ذاتی اور چوتھی ہے توحیدِ صفاتی، ان چار لفظوں میں پوری سورۃ الاخلاص کا خلاصہ آ گیا۔ پھر اس کے بعد معوذتین ہیں۔

سورۃ الاخلاص جلبِ منفعت کی مانند ہے اور معوذتین دفعِ مضرت کی مانند ہیں۔ ان معوذتین میں جو سورۃ الفلق ہے اس میں جسمانی آفات سے پناہ مانگی گئی، انسان کو ظاہر ہے جسمانی پریشانیاں آتی ہیں، نظرِ بد ہے، جادو ہے اثرات ہیں، تو ان سے بچنے کے لیے اللہ نے طریقہ بتایا ہے۔ اور سورۃ الناس میں روحانی پریشانیوں سے بچنے کا طریقہ بتایا مگر ان دونوں سورتوں کا مقابلہ کریں تو سورۃ الفلق میں ایک تعوذ کے بعد تین شرور سے پناہ مانگی:

﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④﴾

جبکہ اس کے بالمقابل سورۃ الناس میں تین مرتبہ تعوذ کے بعد ایک شر سے پناہ مانگی:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ①﴾

ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسمانی شر چھوٹے ہیں روحانی شر بڑا ہوتا ہے۔ جسمانی شر سے انسان کو موت بھی آ جائے تو اتنا بڑا نقصان نہیں ہے، روحانی شر سے موت آ جائے تو بندے کا ایمان سلب ہوتا ہے جو بڑا نقصان ہے۔ اور اس پر اللہ نے قرآن مجید کو ختم فرمایا۔

اب آ جایئے اپنے مضمون کی طرف۔

سورۃ اللھب مکہ میں نازل ہوئی۔ ترتیب کے لحاظ سے ایک سو گیارہویں (111)

سورۃ ہے اور نزول کے اعتبار سے اس کا چھٹا نمبر ہے۔ اس سے پہلے پانچ سورتیں نازل ہوچکی تھیں۔ بعثت کے چوتھے سال میں سورۃ الفاتحہ کے بعد اور سورۃ التکویر سے پہلے نازل ہوئی۔

یہ سورت ایک رکوع اور پانچ آیات پر مشتمل ہے۔

اس کے کل الفاظ 23 اور کل حروف 71 ہیں۔

سورۃ مبارکہ کے نام اور وجہ تسمیہ:

مفسرین کرام نے اس سورت مبارکہ کے کئی نام ذکر کئے ہیں:

① ......سورۃ ''اللھب'':

''لھب'' عربی میں ''بھڑکتے ہوئے شعلہ'' کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اس سورت میں دو جگہ آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ لھب رکھا گیا ہے۔

② ......سورۃ ''المسد'':

کیونکہ اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ''فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَد'' فرمایا ہے۔

③ ......سورۃ ''تبت'':

کیونکہ سورت کے شروع میں یہ لفظ آیا ہے۔

④ سورۃ ''ابی لھب'':

کیونکہ اس میں ابولھب کی ہلاکت کا ذکر ہے۔

⑤ بعض روایات میں آیا ہے کہ سورۃ ''تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ'': پورا ہی نام ہے۔ کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت یہی ہے۔

ربط و مناسبت:

① ......گزشتہ سورت میں یہ بیان کیا گیا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے والوں کو نصرتِ خداوندی و فتح نصیب ہوتی ہے۔اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں اور اسلام کے دشمنوں کے لیے دنیا و آخرت میں ہلاکت و بربادی ہے۔

② ......سورہ نصر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصر و فتح کی بشارت دی گئی۔اور اس سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن (ابولھب) کو خسران و بربادی کی خبر دی گئی ہے۔

③ ...... سورہ کوثر میں بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیر کثیر سے نوازا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن کو ابتر بنا دیا گیا ہے۔تو سورہ نصر میں کوثر کا نمونہ ہے۔اور سورہ لہب میں ابتر ہونے کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

④ ......گزشتہ سورت میں لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کا ذکر تھا،اس سورت میں اسلام میں داخل نہ ہونے والے شخص کے عذاب کو بیان کیا جا رہا ہے اور اس کے انجام بد کا بیان ہے۔

سورتوں کے درمیان ترتیب من جانب اللہ ہے:

سورۂ نصر مدنی سورت تھی جو بالکل اخیر دور میں نازل ہوئی اور سورۂ لہب مکہ کے شروع دور میں نازل ہوئی تھی۔ پھر بھی دونوں کے درمیان ایک مضبوط ربط اور تعلق موجود ہے۔اس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآنی سورتوں کی ترتیب من جانب اللہ اسی کے حکم سے ہے۔
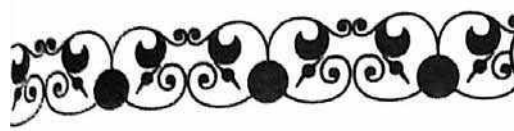
شانِ نزول:

بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ جب یہ آیت: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ۲۱۴] نازل ہوئی کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ صفاء پر تشریف لے گئے اور وہاں جاکر آواز لگائی: ''یا صَبَاحَاهُ!'' پھر اپنے قبیلہ قریش کے خاندانوں کا نام لے لے کر پکارا: ''یَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ، یَا بَنِيْ هَاشِمٍ، یَا بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، یَا بَنِيْ فِهْرٍ، یَا بَنِيْ لُؤَیٍ'' وغیرہ اور پھر افراد کے نام بھی لیے: یَا عَبَّاسَ ابْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، یَا حَمْزَةَ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، یَا صَفِيَّةَ بِنْتَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ!'' اپنی پھوپھی اور صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا۔

چونکہ اس طرح بلانا خطرہ کی علامت سمجھا جاتا تھا، اس لئے سارے لوگ بھاگتے ہوئے آگئے۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم یہ بتاؤ، اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے گھڑسوار دستہ تم پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا: ہاں! بالکل کریں گے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں، آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہیں میری بات پر یقین ہے تو پھر میں تمہیں عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہوں جو شرک اور کفر کی وجہ سے تم پر واقع ہوگا، اگر نجات کا راستہ چاہتے ہو تو ایک خدا کے ہو جاؤ اور شرک چھوڑ دو۔ اس پر قوم بگڑ گئی اور ابولہب جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا، کہنے لگا: ''تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا'' (تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں [نعوذ باللہ] کیا آپ نے اس لیے ہمیں جمع کیا تھا؟ (یہ عربوں میں ایک محاورہ تھا کسی کو بد دعا دینی ہوتی تو کہتے تھے تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور پتھر اُٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھینکا اور نامناسب

الفاظ کہے۔ اس پر سورۃ اللہب نازل ہوئی۔

ترجمہ

اب اس کا ترجمہ سن لیجیے:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

﴿مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾

نہ اس کے مال نے اسے فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے اسے فائدہ دیا۔

﴿سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾

یہ عنقریب ایک بھڑکتی آگ میں داخل ہو گا۔

﴿وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾

اور اس کی بیوی بھی، جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔

﴿فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾

اس کی گردن میں ایک رسی ہو گی خوب بٹی ہوئی۔

تفسیر

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾

﴿تَبَّتْ﴾ ''تباب'' سے ہے، جس کے معنی ہیں: ہلاک و برباد ہو۔

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ اس قسم کے کلمات عرب کے محاورہ میں بددعا کے لئے
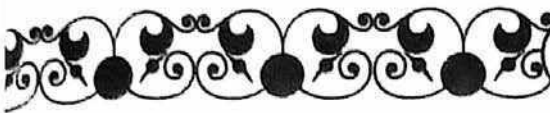
استعمال ہوتے ہیں یعنی ابولہب ہلاک ہوجائے۔ یہ بددعا مسلمانوں کے غیظ وغضب کے شفاء کے لئے ارشاد فرمائی گئی، کیونکہ جس وقت ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ''تَبًّا لَّكَ'' کہا تو مسلمانوں کے دل کی خواہش تھی کہ وہ اس کے لیے بددعا کریں، حق تعالیٰ نے گویا ان کے دل کی بات خود فرما دی۔

﴿يَدَا﴾

''یدا'' تثنیہ کا صیغہ ہے بمعنی: ''دونوں ہاتھ''۔ یہاں ''دونوں ہاتھوں'' سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

❶ ...... انسان کے سب کاموں میں بڑا دخل ہاتھوں کو ہے اس لئے ہاتھوں سے مراد اس کی ذات اور نفس ہوتا ہے، جیسے قرآن میں ہے: ''وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ'' (اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔

بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابولہب نے ایک دن لوگوں سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں کام ہوں گے، پھر اپنے ہاتھوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

تَبًّا لَكُمَا مَا اَرٰى فِيْكُمَا شَيْئًا مِمَّا قَالَ مُحَمَّدٌ

یعنی تم برباد ہوجاؤ میں تمہارے اندر ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھتا جن کے ہونے کی خبر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیتے ہیں۔

اس کی مناسبت سے قرآن کریم نے ہلاکت کو ہاتھوں کی طرف منسوب کیا۔

❷ ...... بعض علماء فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کا ذکر اس لیے کیا کہ ابولہب نے ہاتھ سے پتھر مارنے کو اٹھایا تھا۔

③ ......بعض حضرات کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں سے مراد ''دنیا اور آخرت'' ہے۔ مطلب یہ کہ ابولہب کی دنیا اور آخرت دونوں خراب ہو گئیں اور وہ برباد ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ''مال اور ملک'' ہے۔

﴿اَبِیْ لَهَبٍ﴾

ابولہب کون تھا؟

اب سنیے کہ ابولہب کون تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے گیارہ بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت عبد اللہ تھے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزگوار تھے اور بقیہ دس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عبد العزی تھا۔ عزی، اس بت کا نام ہے جس کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کا نام عبد العزی رکھا گیا تھا، جیسے اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے عبد اللہ، عبد الرحمن نام رکھتے ہیں۔

اور اس کی کنیت اور لقب ابولہب تھا۔ لہب، ''بھڑکتے ہوئے شعلہ'' کو کہتے ہیں۔ وہ بڑا حسین وجمیل تھا، اس کا چہرہ سرخ وسفید تھا، سفیدی میں ایسی سرخی تھی جیسا کہ شعلہ بھڑک رہا ہو۔ اسی خوبصورتی کی وجہ سے اس کو ''ابولہب'' کا لقب اور کنیت دی گئی تھی اور اسی نام سے وہ مشہور تھا۔ بڑا مالدار تھا۔ قریش اور مکہ مکرمہ کے بڑے مالداروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ حضرت طارق بن عبد اللہ محاربی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے ذوالمجاز کے شہر میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو کہہ رہا ہے:

"قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْ"

"اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔"

تو ان کے پیچھے پیچھے ایک آدمی چلتا اور کہتا تھا کہ یہ جھوٹا ہے، پاگل ہے (نعوذ باللہ) اس کی بات کی طرف دھیان مت دو، اور وہ پتھر بھی مارتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اس دعوت دینے والے کے ٹخنوں اور ایڑی کے اوپر کے پٹھوں کو لہولہان کر دیا۔ میں نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ یہ دعوت دینے والے حضرت محمد ﷺ ہیں اور پتھر مارنے والا نبی کریم ﷺ کا چچا ابولہب ہے جو آپ ﷺ کی اس طرح گستاخی کر رہا ہے۔

قرآن میں ابولہب کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

عربوں کا ایک طریقہ تھا کہ اختلاف اپنی جگہ مگر قرب داری اور رشتہ داری کا لحاظ کیا کرتے تھے۔ جیسے ابوطالب نے نبی علیہ السلام کو پالا اگرچہ وہ کلمہ نہیں پڑھ پائے۔ ابولہب کو بھی چاہیے تھا کہ اگر اس نے کفر پر ہی رہنا تھا لیکن نبی علیہ السلام کے ساتھ رشتہ داری تو نبھاتا۔ جبکہ وہی بڑا دشمن بن گیا۔ یہ اور بھی زیادہ افسوس ناک بات تھی اور باعث تعجب بھی۔ کیونکہ ابولہب آپ ﷺ کا حقیقی چچا اور بنو ہاشم کے سرداروں میں سے تھا، اس لحاظ سے اگر وہ ایمان نہ لاتا، تب بھی رشتہ وقرابت کے لحاظ سے اس کو حضور ﷺ کی اسی طرح پشت پناہی کرنی چاہیے تھی، جیسے حضرت ابوطالب نے کی تھی۔ لیکن اس کے بجائے اس نے آپ ﷺ کے ساتھ بے حد درجہ عناد اور دشمنی کا معاملہ کیا اور عربوں کی عام روایات کا بھی لحاظ نہیں رکھا، جس کا ایک اہم حصہ رشتہ وقرابت کا لحاظ کرنا تھا، اس لئے حضور ﷺ کے تمام دشمنوں میں ابولہب ہی وہ بد بخت ہے جس کی برائیوں کا قرآن نے نام لے کر ذکر کیا ہے۔ اور اس کی بیوی جو تھی اس کا نام

تھا اروی بنت حرب حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بہن تھی ام جمیل اس کا لقب تھا وہ بڑی خبیث تھی۔ وہ نبی علیہ السلام کو اور بھی زیادہ ایذا پہنچاتی تھی۔

کنیت کے ذکر کرنے کی وجہ:

آیت میں ابولہب کی کنیت کا ذکر کیا گیا اور اس کے نام عبدالعزیٰ کو ذکر نہیں کیا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں، مثلاً:

1 ......اس کا نام عبدالعزی تھا چونکہ اس میں بت کی طرف نسبت ہوتی تھی اس لیے ایسا مکروہ وناپاک نام جس سے شرک کی بدبو آتی ہو اس قابل نہ تھا کہ قرآن پاک میں اس کا ذکر ہو جائے۔

2 ......اس کی کنیت زیادہ مشہور تھی نام اتنا معروف نہیں تھا۔

3 ......بعض محققین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں ابولہب کا ذکر بطور کنیت کے نہیں، بلکہ بطور اخبار اور پیش خبری کے ہے کہ یہ شخص جہنمی ہوگا اور اس لفظ سے اس کا جہنمی ہونا واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

﴿وَتَبَّ﴾

اس کا معنی ہے: ''وہ ہلاک ہوگیا''۔ جس وقت یہ سورت نازل ہوئی اس وقت تو ہلاک نہیں ہوا تھا، لیکن آئندہ اس کی ہلاکت اتنی یقینی اور پکی تھی کہ اس لفظ کو ''تَبَّ'' یعنی ماضی کے صیغہ سے ادا کیا گیا کہ وہ ہلاک ہوگیا۔

ابولہب کی عبرت ناک ہلاکت:

اس نے پوری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں گزاری اور ذلیل ہوکر مرا۔ غزوہ بدر کے سات دن بعد اسے طاعون کی بیماری لگی جسے مکہ والے عدسہ کہتے

تھے۔ جسم پر ایک دانہ نکلتا تھا۔ یہ متعدی بیماری ہوتی ہے۔ اس کو زہریلا پھوڑا نکلا۔ اور وہی اس کی موت کا سبب بنا۔ اس کی موت بڑی ذلت اور خواری سے ہوئی۔

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ﴾ [الحج:۱۸]

جسے اللہ ذلیل کرنے پر آتا ہے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ گھر والوں کو علم ہوا کہ اس کو طاعون والا پھوڑا نکلا ہے تو انہوں نے آپس میں اتفاق کیا کہ اس کے قریب نہ جاؤ، ورنہ ہم بھی بیمار ہو جائیں گے۔ ایک حبشی غلام سے پوچھا کہ تو جہاں کام کرتا ہے وہاں تجھے کتنی مزدوری ملتی ہے؟ اس نے کہا: 10 درہم۔ انہوں نے کہا: ہم تجھے بیس 20 درہم دیں گے اور کھانا بھی دیں گے ہم کاروباری لوگ ہیں، دکانوں میں رہتے ہیں، ہمارے باباجی بیمار ہیں، بس تو نے ان کی تیمارداری کرنی ہے، دوائی دینی ہے، خوراک دینی ہے۔ بس اتنا ہی کام ہے۔

وہ بڑا خوش ہوا کہ مزدوری بھی ڈبل اور رہوں گا بھی سائے میں۔ لیکن جب اس کو پتا چلا کہ اس کو تو طاعون کی بیماری ہے، وہ اسے دودھ دیتے کہ بابا کو پلاؤ، وہ غلام دودھ خود پی جاتا اور اس کے قریب نہ جاتا۔ جو پھل فروٹ وہ دیتے وہ بھی کھا کر برتن لا کر دے دیتا کہ باباجی کھا بیٹھے ہیں۔ دو تین دن گزرے تو آواز نہ آئی۔ غلام سے پوچھا تو اس نے کہا: باباجی آرام کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ مر چکا تھا اور اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ تین دن تک اس کی لاش کے قریب کوئی نہ گیا۔ بدبو آنی لگی تو لوگوں نے اس کے بیٹوں کو عار دلائی کہ تمہارا باپ مر گیا تم کوئی خبر نہیں لیتے؟ انہوں نے حبشی غلام کو پیسے دے کر تیار کیا جو اس کی لاش کو اٹھا کر لے گئے اور لکڑیوں کے ساتھ دھکیل کر گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر

پتھر ڈال دیئے۔ اس طرح ذلت اور رسوائی کے ساتھ اس کو موت آئی۔

﴿مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾

مَآ اَغْنٰى میں ''ما'' نافیہ ہے اور ''مَا كَسَبَ'' کا ''ما'' موصولہ یا مصدریہ ہے۔ یعنی اس کے اس مال نے بھی فائدہ نہ دیا جو باپ سے وراثت میں اس نے پایا اور نہ وہ مال جو بذات خود کمایا۔ یا پرانا مال اور تازہ کمایا ہوا کام نہ آیا۔

''مَا كَسَبَ'' کا مصداق:

''مَا كَسَبَ'' کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

❶ ......بعض حضرات کے نزدیک ''مَا كَسَبَ'' سے مراد ''اولاد'' ہے۔

تو معنی یہ بنے گا ''نہ اس کے مال نے اسے فائدہ دیا اور نہ اس کی اولاد نے''۔

❷ ......دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ ''مَا كَسَبَ'' سے مراد منافع تجارت وغیرہ ہے۔

تو معنی یہ بنے گا ''نہ اس کے مال نے اسے فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے''۔

اولاد و مال دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اس کے فخر و غرور اور وبال کا سبب بنیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ابولہب یہ بھی کہتا تھا کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر وہ برحق ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے میں وہ دے کر اپنی جان بچا لوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی، ''ما اغنی عنه ماله وما كسب'' چنانچہ ایسا ہی ہوا جب انتقامِ الٰہی کا وقت آیا تو نہ اس کا مال کام آیا نہ اولاد۔

ابولہب کی اولاد اور حضور ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق:

ابولہب کے تین بیٹے تھے: عتبہ، معتب اور عُتیبہ۔ عتبہ اور معتب دونوں فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے۔ تیسرا بیٹا عُتیبہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ اور دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ عتبہ کے نکاح میں تھیں۔ ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ یہ سورت نازل ہوئی تو ابولہب نے قسم دے کر اپنے دونوں بیٹوں کو طلاق کا حکم دیا۔ چنانچہ ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ مگر عتیبہ نے حد سے بڑھ کر گستاخیاں کیں۔ چنانچہ جب اپنے باپ کے ساتھ اس نے ملک شام کے سفر کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر ان کو ضرور اذیت دوں گا۔ چنانچہ یہ آیا اور کہا: اے محمد! (والنجم اذا ھوی) کا منکر ہوں اور (دنی فتدلیٰ) کا انکار کرتا ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور پر تھوک دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچا اور حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے بددعا فرمائی:

((اَللّٰھُم سَلِّطْ عَلَیْهِ کَلْبًا مِنْ کِلَابِكَ))

''اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کر دے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب وہاں موجود تھے ان کو یہ بددعا ناگوار معلوم ہوئی اور کہا: اے بھتیجے! تم کو اس بددعا سے کیا فائدہ ہوا اور عتیبہ سے کہا کہ اب آپ ان کی بددعا سے نجات نہیں پا سکتے ہو۔ اس کے بعد عتیبہ اپنے باپ کے پاس چلا اور یہ قصہ سنا دیا پھر ملک شام کو یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ ابولہب کو بددعا کے پورا ہونے کا یقین تھا اس لئے اس نے اپنے قافلہ والوں سے کہا کہ اس رات میں آپ لوگ میری مدد کریں۔ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے اپنے بیٹے کی جان کا خطرہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اونٹ ان کے چاروں طرف بیٹھا دیئے۔ اور چاروں طرف

سب لوگوں نے پڑاؤ کیا۔ بیچ میں عتیبہ کو کرلیا۔ رات کے وقت شیر آیا سب کو سونگھا اور عتیبہ کے پاس آ کر اس کے ٹکڑے کر دیئے۔

یہاں تک تو اس کا دنیا میں پیش ہونے والا حال بیان فرما دیا۔ آگے آخرت کے حال کا ذکر ہے۔

﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾

یعنی قیامت میں یا قبر ہی میں وہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔

﴿وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾

ابولہب کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد اس کی بیوی کے انجام بد کا بیان ہے۔ یہ بھی ابولہب کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانی دشمن تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں اپنے خاوند کا پورا پورا ساتھ دیتی۔ اس کا نام ''اروٰی بنت حرب بن امیہ'' تھا۔ کنیت ''ام جمیل'' تھی۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور ''کانی'' تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بھی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی۔

''حمالة الحطب'' کا لغوی معنیٰ ہے: ''آگ جلانے کے لئے لکڑی جمع کر کے اٹھانے والی''۔ یہاں ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

❶ ...... یہ عورت جنگل سے خاردار لکڑیاں اور کانٹے جمع کر کے لاتی اور رات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں بچھا دیتی تھی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کانٹوں پر اس طرح گزر جاتے جیسے ریشم پر چل رہے ہوں، اس کمینی حرکت کی بنا پر قرآن مقدس نے اس کا لقب ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ ذکر کیا ہے۔

❷ ...... بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ حال دوزخ میں ہوگا کہ وہ جہنم کے درختوں

(زقوم) وغیرہ کی لکڑیاں لاکر اپنے شوہر پر ڈالے گی، تاکہ اس کی آگ اور بھڑک جائے جس طرح دنیا میں وہ اس کے کفر و ظلم کو بڑھاتی تھی آخرت میں اس کے عذاب کو بڑھائے گی۔

3 ...... تیسرا قول یہ ہے کہ کثرت مال کے باوجود وہ اتنی کنجوس تھی کہ جنگل سے ایندھن اپنی کمر پر لاد کر لاتی تھی۔ تو قرآن کریم نے اس لفظ سے اس کی کنجوسی کی عادت کا اظہار کیا ہے۔

4 ...... سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ کے معنی ہیں: ''حَمَّالَةَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوْبِ'' (خطاؤں اور گناہوں کو اٹھانی والی)۔ چنانچہ اہل عرب گناہگار کے لئے بولتے ہیں: ''فُلَانٌ يَحْطِبُ عَلٰى ظَهْرِهٖ'' (فلاں آدمی نے اپنی کمر پر گناہوں کا بوجھ ڈالا ہوا ہے) کیونکہ لکڑی اور گناہ دونوں آگ لگانے کے لئے سبب ہے۔ فرق یہ ہے کہ لکڑی سے دنیا میں آگ لگتی ہے اور گناہوں سے آخرت میں۔

5 ...... بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ سے ''چغل خوری'' مراد ہے، کیونکہ اس کو چغل خوری کی عادت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایذارسانی کے لئے چغل خوری کا کام کرتی تھی۔ چغل خوری کی وجہ سے بھی خاندانوں میں فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اس لیے اس کو عرب میں ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ کہا جاتا ہے۔

چغل خوری سخت گناہ کبیرہ:

...... حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں چغل خور داخل نہ ہوگا۔

...... حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالحہ کو برباد کردیتے ہیں، روزہ دار کا روزہ اور وضو والے کا وضو خراب کردیتے ہیں یعنی غیبت، چغل خوری اور جھوٹ۔

حضرت عطار بن سائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یعنی تین قسم کے لوگ جنت میں نہ داخل ہوں گے۔ ناحق خون بہانے والا، چغل خوری کرنے والا اور تاجر جو سود کا کاروبار کرے۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر کر کے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بطور تعجب کے پوچھا کہ حدیث میں چغل خور کو قاتل اور سود خور کے برابر بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں چغل خوری تو ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے بے گناہ قتل اور اموال غصب ہوتے ہیں۔

﴿فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِنْ مَسَدٍ﴾

''جِیْدُ'' گردن کو کہتے ہیں اور ''مَسَدُ'' رسّی کو۔

''مَسَدُ'' رسی یا ڈور کو کہتے ہیں جو مضبوط بنائی گئی ہو، خواہ کسی چیز کی ہو، کھجور کی، ناریل کی، یا آہنی تاروں کی، ہر طرح کی مضبوط رسی اس میں داخل ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں:

1 ...... حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دنیا کا حال قرار دیا ہے، اور ''مَسَدُ'' سے ''کھجور کی رسی'' مراد لی ہے، اور فرمایا کہ اگرچہ ابولہب اور اسکی بیوی مالدار اور غنی قوم کے سردار مانے جاتے تھے، مگر اس کی بیوی اپنی خست طبیعت کی وجہ سے اپنی کنجوسی کی بدولت

جنگل سے لڑکیاں جمع کر کے لاتی اور رسی کو اپنے گلے میں ڈالتی۔ تاکہ لکڑیوں کا گٹھا گر نہ جائے، ایک دن حسب معمول لکڑیاں لا رہی تھی، گٹھڑی بڑی تھی، تھک گئی، گٹھڑی سر سے گر گئی، گلے میں جو رسی تھی اس کی وجہ سے گلا دب اور گھٹ گیا، اسی میں وہ مر گئی۔

2 ...... اکثر مفسرین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس آیت میں ابولہب کی بیوی کا جہنم کا حال بیان کیا جا رہا ہے، اور ''مَسَدٌ'' سے مراد لوہے کی تاروں سے بٹا ہوا طوق ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جہنم میں اس کی گردن میں لوہے کی تاروں سے بٹا ہوا مضبوط طوق ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ''مِن مَّسَدٍ'' کی تفسیر ''مِنۡ حَدِيۡدٍ'' منقول ہے۔

میں مذمم نہیں... محمد ہوں:

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب یہ سورت اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں نوکدار پتھر لئے یوں کہتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی:

ع　مُذَمَّمًا عَصَيۡنَا　وَاَمۡرُهٗ اَبَيۡنَا　وَدِيۡنُهٗ قَلَيۡنَا

یعنی ہم مذمم کے منکر ہیں، اس کے نافرمان ہیں اور اس کے دین کے دشمن ہیں۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے ساتھ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ آرہی ہے ایسا نہ ہو آپ کو دیکھ لے، آپ نے فرمایا: صدیق بے فکر رہو، یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی۔ تاکہ اس سے بچ جائیں۔

﴿وَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَيۡنَكَ وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ حِجَابًا

مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ [الاسراء:۴۵]

یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ایمان نہ لانے والوں کے درمیان پوشیدہ پردے ڈال دیتے ہیں۔

ہمارے بعض طلباء جب ایجنسی والوں سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ آیت پڑھتے ہیں۔

وہ آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس ہی بالکل ظاہر بیٹھے ہوئے تھے لیکن قدرتی حجابوں نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، رب البیت کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیری کوئی ہجو نہیں کی۔ تو یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی کہ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔

مکہ والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بجائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذمم (قابل مذمت) کہتے تھے (نعوذ باللہ!)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ ان کی گالیاں کو اللہ تعالیٰ یوں ہی میرے اوپر سے ہٹا دیا۔ اس لیے کہ وہ لوگ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام میں محمد نہیں بولتے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ وہ تو مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں اور میں تو مذمم نہیں ہوں، میں تو ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' ہوں۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت:

ایسا ہی عجیب واقعہ حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر ہوا جو ان کی کرامت تھی۔ انگریزوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو گرفتار کرنا چاہا۔ آپ روپوش ہوگئے۔ اور سہارنپور سے نکل کر انبالہ کے قریب ایک بستی میں آگئے۔ وہاں آپ کا ایک مرید راؤ رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ اس کے پاس مقیم ہوئے۔ انگریزوں نے پیچھا کیا اور اس بستی میں پہنچ

گئے۔اس وقت حاجی صاحب باغ میں واقع اصطبل کی ایک کوٹھڑی میں تھے۔رحیم بخش بڑے پریشان ہوئے کہ یہ خبیث کہیں حضرت کو گرفتار نہ کرلیں۔فوراً آپ کو اطلاع دی کہ وہ لوگ آرہے ہیں۔آپ نے فرمایا: تم فکر نہ کرو، اور یہاں سے چلے جاؤ۔اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔وہ بہتر راستہ پیدا کرے گا۔

چنانچہ وہ تلاش کرتے کرتے آپ کے کمرے میں پہنچ گئے۔انہوں نے دیکھا کہ کمرے میں لوٹا پڑا ہوا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی کسی نے وضو کیا ہے۔مگر آدمی کوئی نہیں۔انہیں شبہ ضرور ہوا مگر راؤ رحیم بخش نے اسے کسی طرح ٹال دیا کہ ایسے ہی وضو کیا تھا۔اس طرح انگریز کے وہ سپاہی ناکام لوٹ گئے۔اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کے ساتھ اپنے بندے کو حفاظت میں رکھا۔تاہم یہ کرامت بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوتا ہے۔بندے کو اس پر کچھ اختیار نہیں ہوتا۔

یہاں پر ایک بات سمجھنے والی ہے کہ دل آزاری بہت بڑا گناہ ہے۔یہ بات ذہن میں بٹھانے والی ہے کہ دل آزاری بہت بڑا گناہ ہے۔ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ بیماریوں میں سب سے بڑی دل کی بیماری اور دل کی بیماریوں میں سب سے بڑی دل آزاری ہے۔کسی کا دل دکھانا کسی کو ایذا پہنچانا۔اور آج کے معاشرے میں کسی کا دل دکھانا بڑی آسان سی بات نظر آتی ہے۔

جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دکھی ہوتے تھے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلیاں دیتے تھے۔میرے محبوب آپ کا غم بانٹنے والا تو کوئی ہے نہیں میں پروردگار آپ کو تسلی دیتا ہوں۔چنانچہ اللہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝﴾ [المدثر:۷]

اے میرے محبوب اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے۔

دیکھیں دکھی بندے کو اگر کوئی یہ بات کرے تو کتنی تسلی ہوتی ہے۔ اللہ کی طرف سے قرآن آ رہا ہے اے میرے محبوب! اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے۔

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ [الطور:۴۸]

اے محبوب صبر کیجیے آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ یہ آپ کو کیسے کیسے ایذا پہنچاتے ہیں۔ اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے۔ سوچیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل کو کتنی تسلی ملتی ہو گی کہ میرے اللہ مجھے تسلیاں دے رہے ہیں۔ ایک جگہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ [النحل:۱۲۷]

سورت لہب سے حاصل ہونے والا سبق

❶ ......اس سورۃ میں یہ بات اشارۃً بیان کی گئی ہے کہ جو شخص حق کی مخالفت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ناکام بنائے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں، انبیاء علیہم السلام اور ان کے کامل متبعین کو ایذا پہنچائے گا، ان کی تحقیر و تذلیل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ضرور سزا دے گا۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لئے ابولہب کی طرح لوگ ضرور ہوا کرتے ہیں:

ع در جمع سبک روحان ہم بو لہبی باشد

یعنی پاکیزہ لوگوں کے مجمع میں ایک ابولہب بھی ہوا کرتا ہے۔

②......بہت سے لوگ اپنے مال کے غرور میں حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، اور اللہ کے مقبول بندوں کو ستاتے ہیں تو اس سورت میں یہ عبرت ہے کہ مال کی وجہ سے ایسے کام نہیں کرنا چاہیے، مال کسی کام آنے والا نہیں ہے۔

سورت لہب کے خواص

①......ایسا درد جو بڑھتا ہی جا رہا ہو تو اس سے نجات کے لیے درد کی جگہ پر سورۃ اللھب لکھیں، درد کم ہوتا ہوتا بالکل ختم ہو جائے گا۔

②......اگر لکھ کر درد کی جگہ باندھ دیا جائے تو کم ہو جائے گا اور انجام بعافیت ہوگا۔

③......جو شخص اس کو خواب میں پڑھے گا وہ اپنا مقصود پالے گا اور اس کا ذکر بلند اور اس کا عقیدہ توحید مضبوط ہوگا، اس کے اہل وعیال کم ہوں گے اور اس کی زندگی خوشگوار گزارے گی۔

﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾
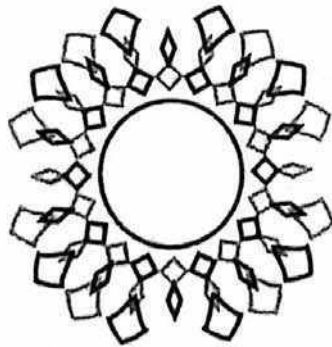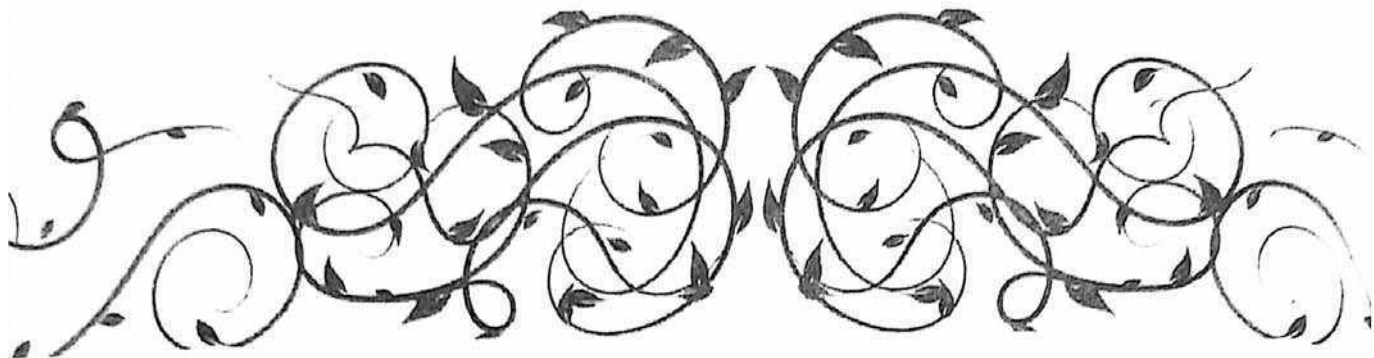
سورۃ النصر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣﴾ [النصر:۱،۲،۳]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

سورت النصر:

آج ہم سورۃ النصر کے بارے میں پڑھیں گے۔ یہ قرآن مجید کی ۱۱۰ نمبر سورت ہے۔ نزول کے اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے آخری سورت ہے جو مکمل نازل ہوئی۔ کچھ آیات اس کے بعد بھی نازل ہوئیں مگر وہ آیات تھیں مکمل سورتیں نہیں تھیں۔ بحیثیت سورت یہ آخری سورت ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سورۃ النصر قرآن مجید کی سب سے آخری سورت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ آیات کا نزول اس کے بعد ہوا وہ اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ فقط چند آیات تھیں مکمل سورت نہیں تھی۔ سورۃ الفاتحہ کو سب سے پہلی سورۃ اس معنیٰ کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ مکمل سورت تمام سورتوں سے پہلے نازل ہوئی۔ حالانکہ اس سے پہلے کچھ آیات نازل ہو چکی تھیں سورۃ العلق کی ابتدائی آیات اور سورۃ المدثر کی کچھ آیات مگر بحیثیتِ سورت چونکہ سورۃ الفاتحہ پہلے نازل ہوئی تو اس کو پہلی سورت کہتے ہیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت حج کے موقع پر ایامِ تشریق کے دوران مقامِ منیٰ میں نازل ہوئی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی میں تین ماہ چند دن رہتے تھے۔ راجح قول کے مطابق یہ پہلے نازل ہو چکی تھی۔ لیکن اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ تلاوت فرمائی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سمجھے کہ ابھی نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾ [المائدۃ:۳]

ان دونوں کے نزول کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسّی (۸۰) روز مزید زندہ رہے۔ اس کے بعد آیتِ کلالہ نازل ہوئی:

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ﴾ [النساء:۱۷۶]

جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے کل پچاس دن باقی تھے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾﴾ [التوبۃ:۱۲۸]

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے پینتیس روز باقی تھے۔اس کے بعد یہ آیت اتری:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾﴾ [البقرۃ:۲۸۱]

اور یہ آخری آیت تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔اس کے اکیس روز بعد اور مقاتل کی روایت کے مطابق سات روز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ النصر قرآن مجید کی سب سے آخری سورت ہے جو مکمل نازل ہوئی اور ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ سب سے آخری نازل ہونے والی آیت ہے۔

سورۃ مبارکہ کے نام:

اس سورت کے بہت سارے نام ہیں:

① ......ایک نام ہے سورۃ النصر، نصر کا معنیٰ ہوتا ہے مدد کرنا۔سورت کی پہلی آیت میں نصر کا لفظ آیا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ النصر رکھا گیا۔

② ......دوسرا نام ہے "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ" کیونکہ انہی الفاظ سے یہ سورت شروع ہوئی تو یہی اس کا نام رکھا گیا۔

③ ......اس سورت کا ایک نام ہے "التودیع" تودیع کا مطلب ہے الوداع کہنا۔ کیونکہ اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

④ ......ایک اس کا نام ہے "سورۃ الفتح" کیونکہ اس میں فتح کا لفظ آیا ہے۔اور اس سے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔

ربط:

ربط اور مناسبت یہ ہے کہ گزشتہ سورتوں میں توحید کے اعلان کا حکم دیا گیا اس سورت میں آپ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کا غلبہ، فتح مکہ کی پیشن گوئی اور کفار کی شکست کی خبر دی۔

پھر سورۃ الکافرون میں مشرکین سے براءت کا اعلان کرایا گیا اس میں اشارہ ہے کہ آپ کا کام پورا ہوگا اور دین بغیر کسی سہارے کے مکمل ہو کر رہے گا۔

شانِ نزول:

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو فتح سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کچھ ساتھیوں کے ساتھ مکہ کے نشیبی حصے میں مامور کر دیا، قریش کی کچھ جماعتوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا، آخر میں اللہ نے ان جماعتوں کو شکست دے دی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق قتال بند کر دیا گیا، مکہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد قریش دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: یہ وہی ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، پھر آپ نے پڑھا:

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ وَٱلْفَتْحُ ①﴾ [النصر:۱]

فضیلت:

اس سورت مبارک کی بہت فضیلت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا: کیا تم نے شادی کی ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ کی

قسم! نہیں کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں کی؟ اس نے کہا: میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں کہ میں شادی کرسکوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس سورت الاخلاص نہیں ہے؟ یعنی یاد نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہے۔ آپ نے فرمایا: سورۃ الاخلاص ثواب میں ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس سورۃ النصر ہے؟ اس نے کہا: ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس سورۃ الکافرون ہے؟ اس نے کہا کہ ہے۔ فرمایا: یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس سورۃ الزلزال ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، مجھے یاد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شادی کرو۔

مقصد کیا تھا کہ جب تمہیں اتنا قرآن یاد ہے تم ان کو پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ فقر و تنگدستی کو دور کر دیں گے اور تمہارے لیے اسباب کو بنا دیں گے۔ اس لیے یہ بہانے بنانا کہ جی پیسے نہیں ہیں، اسباب نہیں ہیں فلاں فلاں نہیں ہیں ان چند سورتوں کا یاد ہونا اور ان کا پڑھنا فقر و فاقہ کے دور ہونے کی گارنٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کے لیے دروازے کھول دیتے ہیں۔

ترجمہ

اس کا ترجمہ سن لیجیے:

﴿إِذَا جَآءَ نَصۡرُ ٱللَّهِ وَٱلۡفَتۡحُ ۝١﴾ [النصر:1]

جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔

﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾

اور آپ لوگوں کو اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں۔

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾ [النصر:۳]

تو آپ اپنے رب کی تسبیح اور حمد کیجیے اسی سے مغفرت کی دعا کیجیے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر

اب ہم آتے ہیں اس سورت کی تفسیر کی طرف۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی طرف سے مدد اور فتح کی خوشخبری دی جارہی ہے۔ نصر کا معنیٰ ہوتا ہے مدد کرنا اور فتح کا معنیٰ ہوتا ہے مقصود کا حاصل ہو جانا۔ پہلے نصر آتی ہے پھر فتح آتی ہے۔ نصر اللہ تعالیٰ کبھی مادی اسباب میں فرماتے ہیں اور کبھی روحانی طور پر فرماتے ہیں۔ روحانی طور سے کیا مراد؟ تزکیہ نفس، تصفیہ قلب اور قویٰ کو اللہ تعالیٰ مضبوط فرما دیتے ہیں۔ اور انسان مقابلے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ تائیدِ غیبی کہلاتی ہے اور نصرت کہلاتی ہے اور یہ فتح کی ابتدا ہوتی ہے۔

فتح سے کون سی فتح مراد ہے؟ بعض مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد فتحِ مکہ ہے، اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد فتحِ خیبر ہے کیونکہ فتحِ خیبر کے بعد مسلمانوں کو بہت مالِ غنیمت ملا تھا اور ان کو رزق کی بہت فراخی نصیب ہوگئی تھی اور بعض نے کہا کہ اس سے تمام فتوحات مراد ہیں۔ فتحِ مکہ، فتحِ حنین اور فتحِ خیبر۔

فتحِ مکہ کا واقعہ ذرا سن لیجیے اس میں ہمارے لیے بہت معارف اور اسباق ہیں۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ فرمانے لگے تو اس میں ایک شرط رکھی گئی

کہ دس سال کے لیے یہ معاہدہ ہے۔ اور اس میں یہ بھی شق تھی کہ بنوخزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا اور بنوبکر قریش کا حلیف تھا تو نبی ﷺ نے صلح نامہ میں یہ لکھوایا کہ کہ اپنی مرضی سے یہ جس کے ساتھ چاہیں گے، اپنا بھائی چارہ رکھیں گے۔ مگر ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی نہیں کریں گے۔ دس سال تک لڑائی بالکل بند ہوگی۔ کیونکہ نبی ﷺ امن کی اہمیت کو جانتے تھے تو آپ نے ان کی شرائط پر امن کے اوپر فیصلہ کر لیا۔ اب نبی ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے۔

بنوخزاعہ اور بنوبکر کی جنگ بہت پرانی تھی ایک موقع پر پھر ان کے درمیان لڑائی ہوگئی، اب جب لڑائی ہوئی تو قریش نے بنوبکر کا ساتھ دیا وہ سمجھتے تھے کہ نبی ﷺ کو اس بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا بنوخزاعہ کے لوگوں کو جب مار پڑی تو انہوں نے ایک وفد نبی ﷺ کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو نبی ﷺ نے قریش کو پیغام دیا کہ تم لوگوں نے تو معاہدے کو توڑ دیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہاں ہم نے معاہدے کو توڑ دیا ہے۔ نبی ﷺ نے خاموشی اختیار کی۔ اب کفار کو احساس ہوا کہ ہم نے تو بہت بڑی غلطی کر لی کہ ہم نے معاہد توڑ دیا۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے اوپر حملہ ہو جائے۔

چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو بھیجا۔ نبی ﷺ سے ان کی قریبی رشتہ داری بھی تھی وہ نبی ﷺ کی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے۔ تو نبی ﷺ کے سسر بنے، ان کو بھیجا کہ نبی ﷺ سے جا کر صلح نامہ کر لو تو نبی ﷺ نے صاف انکار فرما دیا کہ انہوں نے اس کو توڑا ہے اب ہم دوبارہ نہیں کریں گے۔ ابوسفیان واپس آ گئے۔ اب قریش مکہ کو خدشہ تو تھا کہ مسلمان ہم پر حملہ کریں گے مگر وہ توقع کرتے تھے کہ چھ مہینے سال لگیں گے

اور پھر جا کر یہ حملہ کریں گے، ہم بھی تیاری پکڑ لیں گے۔

نبی ﷺ نے بہت راز داری کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام کا لشکر ساتھ لیا اور یہ فاصلہ تھوڑے دنوں میں طے کر لیا۔ حتی کہ جب مکہ کے بالکل قریب آ کر پہنچے تو وہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا۔ نبی ﷺ نے اعلان کروا دیا کہ آج کی رات ہر خیمے والا دو جگہ آگ جلائے گا۔ اب دس ہزار کا لشکر اور ہر خیمے کے ساتھ دو جگہ آگ جل رہی ہے تو دیکھنے والوں کو پتہ چلتا تھا کہ پوری وادی انسانوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ نبی ﷺ کی جنگی حکمتِ عملی تھی۔ آپ کی منشاء یہ تھی کہ مکہ مکرمہ فتح بھی ہو جائے اور قتال کی نوبت ہی نہ آئے۔ بغیر قتال کے فتح ہو جائے۔ مکہ مکرمہ والوں نے رات کا پہرہ لگایا ہوا تھا۔ اور وہ بھی انہوں نے ابوسفیان کے ذمہ لگایا تھا۔ چنانچہ ابوسفیان گشت پر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ اتنے لوگ ہیں اور اتنی آگ جل رہی ہے تو وہ حیران رہ گئے اس دوران جو لوگ نبی ﷺ کے پہرے پر تھے انہوں نے ابوسفیان کو گرفتار کر لیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو ترغیب دی کہ دیکھو تم اچھے آدمی ہو اور تمہارے اندر خیر کا مادہ ہے تم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ۔ تو ابوسفیان نے جب مسلمانوں کی شان و شوکت دیکھی تو دل میں تو پہلے ہی تھا اللہ کی طرف سے وقت آ چکا تھا انہوں نے کلمہ پڑھ کر اسلام کا اظہار کر دیا۔

دوسرے دن مکہ پر چڑھائی کرنی تھی۔ نبی ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو ایسی جگہ لے کر کھڑے ہونا جہاں سے یہ سب کو دیکھ سکے۔ چنانچہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹا سا درّہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کو لے کر وہاں کھڑے ہو گئے تا کہ جانے والے گروپ کو قریب سے دیکھتے جائیں۔ گروپ جا رہے تھے اور ابوسفیان پوچھ رہے تھے کہ یہ کون ہیں؟ یہ کون ہیں؟ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بتا رہے

تھے پہلے انصار کے گروپ تھے، انصار کے گروپ کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ذمہ تھا انہوں نے جب ابوسفیان کو دیکھا تو جوش میں آ گئے اور انہوں نے کہا: ''اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ'' (آج قتال کا دن ہے) آج ہم خوب بدلے لیں گے۔ اس بات کو سن کر ابوسفیان نے کہا کہ جی دیکھو یہ بندہ کیا کہہ رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی حکمتِ عملی کے ساتھ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے لیا اور ان کے بیٹے کو دے دیا۔ یہ بھی دیکھئے نا کتنی زبردست ذہانت کی بات ہے۔ اگر جھنڈا کسی اور کو دیتے تو اپنوں میں ہی افتراق ہو جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ سے جھنڈا لے کر بیٹے کو دے دیا۔ جھنڈا انہی کے پاس رہا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ ''اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ'' آج تو رحمت کا دن ہے۔ آج ہم بیت اللہ کی عزت کو بحال رکھیں گے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا ہم اس کو معاف کر دیں گے، جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا ہم اس کو معاف کر دیں گے، جو شخص ہتھیار چھوڑ کر حرم کے اندر آ جائے گا اس کو بھی معاف کر دیں گے۔ دیکھو یہ معافی کا اعلان کتنا زبردست ہے۔ اس کو حکمتِ عملی کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسفلہ کی طرف سے بھیجا۔ مکہ مکرمہ کی ایک سائیڈ اونچی ہے اور دوسری سائیڈ نشیب ہے، نیچے ہے۔ اس کو مسفلہ کہتے ہیں۔ تو اعلیٰ مکہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود داخل ہوئے اور مسفلہ کی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ گئے تو کچھ نوجوانوں نے ان کے ساتھ مقابلہ کیا وہ تو خالد بن ولید تھے انہوں نے ان کا قلع قمع کر دیا۔ بہت تھوڑے نقصان پر ان کا مقابلہ ختم ہو گیا۔ اتنے میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے امّ ہانی کے گھر پڑاؤ کیا اور وہاں پر غسل کیا چونکہ گرمی بہت تھی۔ تو

نبی ﷺ غسل کر کے تازہ دم ہو کر حرم شریف میں تشریف لائے۔ اس وقت پورا حرم قریشِ مکہ کے ساتھ بھر چکا تھا۔ نبی ﷺ نے ان قریشِ مکہ کو دیکھ کر کہا: اے قریشِ مکہ! ایک وقت وہ بھی تھا جب آپ لوگوں نے مجھے اس بیت اللہ سے نکال دیا تھا، مجھے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور آج دیکھو میرے رب کا وعدہ پورا ہو گیا:

﴿رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ [الاسراء: ۸۰]

احادیث میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو آپ بڑی عاجزی کے ساتھ داخل ہوئے حتیٰ کہ جو اونٹنی کا کوہان تھا آپ کی پیشانی مبارک اس کے ساتھ لگ رہی تھی۔ یہ نبی ﷺ کی عظمت تھی۔ لوگ فاتح بن کر داخل ہوتے ہیں تو نعرے لگا رہے ہوتے ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا شان و شوکت دکھا رہے ہوتے ہیں۔ مگر محبوب ﷺ فرما رہے تھے:

((الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ))

[مسند احمد، رقم: ۴۲۴۸]

اس ایک اللہ کی حمد ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور تمام گروہوں کو شکست دی اور اپنے بندے کو فتح عطا فرمائی۔

عبدیت کا یہ اظہار دنیا کا کوئی اور جرنیل نہیں کر سکا جو نبی ﷺ نے فرمایا۔ تو حرم میں داخل ہو کر نبی ﷺ نے پوچھا کہ قریشِ مکہ وہ جو آباء کے ذریعے سے تم بڑے دعوے کیا کرتے تھے کہ ہم قریش ہیں، فلاں ہیں اور فلاں ہیں وہ اب ختم ہوا اور آج کے بعد سب انسان برابر ہیں اور سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ پھر نبی ﷺ نے طواف شروع کیا۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جب طواف کر رہے

تھے تو بیت اللہ کے اندر تین سو ساٹھ بت انہوں نے سیسے کے ساتھ لٹکائے ہوئے تھے
نبی ﷺ آیت مبارکہ پڑھتے تھے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [الاسراء:۸۱]

اور جس بت کی طرف اپنی لاٹھی سے اشارہ کرتے وہ بت گر جاتا تھا۔

تین سو ساٹھ بت منہ کے بل گر گئے اور نبی ﷺ نے بیت اللہ کو بتوں سے پاک کر دیا۔ پھر اس کے بعد نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بیت اللہ کی چھت پر جو لات ومنات کے بڑے بت ہیں ان کو بھی توڑ دو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھے اب یہ عجیب منظر ہے۔ قریشِ مکہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ وہی بلال ہے جس کو ہم کوئی ویلیو ہی نہیں دیتے تھے، کسی کام کا نہیں سمجھتے تھے، گھسیٹتے تھے، سزائیں دیتے تھے اور آج یہ بیت اللہ کی چھت پر چڑھا ہمارے بتوں کو توڑ رہا ہے۔ تو کسی شاعر نے کہا کہ بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ بیت اللہ پر کیسے چڑھے اور آپ نے کیسے یہ سارا کام کر دیا؟ تو انہوں نے جواب دیا:

؎ خس خس جناں قدر نہ میرا، مرے صاحب نوں وڈیائیاں
میں گلیاں دا رُوڑا کوڑا، تے محل چڑھایا سائیاں

مجھے میرے سردار نے محل پر چڑھایا ہے ورنہ میں تو گلیوں کا کوڑا کرکٹ تھا۔ یوں اللہ تعالیٰ عزتیں دیتے ہیں۔ تو بلال رضی اللہ عنہ نے سب بتوں کو توڑ دیا اور بیت اللہ شریف بتوں سے ہمیشہ کے لیے پاک ہو گیا۔

پھر اس کے بعد اگلا مرحلہ آیا کہ نبی ﷺ چاہتے تھے کہ بیت اللہ کو کھلوائیں اور اس کے اندر جا کر اللہ کی عبادت کریں بیت اللہ کی چابی جس بندے کے پاس تھی اس کا

نام عثمان تھا۔ نبی ﷺ نے اسے بلایا اور بلا کر فرمایا: عثمان لاؤ بیت اللہ کی چابی مجھے دو۔ اس کو چابی دینا پڑی۔ نبی ﷺ نے دروازہ کھلوایا اور بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے وہاں پر نماز پڑھی، اللہ کا شکر ادا کیا اور آپ نے بیت اللہ کے اندر کچھ وقت گزارا۔ جب آپ بیت اللہ سے باہر نکلے تو دروازے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور دیگر صحابہ بھی تھے بڑے بڑے صحابہ ساتھ تھے اور ہر صحابی کے دل میں یہ خواہش اٹھ رہی تھی کہ بیت اللہ کی چابی مجھے دی جائے اور بیت اللہ کا کنجی بردار بننے کی سعادت مجھے نصیب ہو جائے۔ نبی ﷺ نے بیت اللہ کی چابی صحابہ میں سے کسی کو نہیں دی، عثمان کو بلایا جو کنجی بردار تھا۔ فرمایا: عثمان! تجھے یاد ہے جب مجھے ہجرت پر مجبور کیا گیا تھا تو میرا بڑا جی چاہتا تھا کہ میں بیت اللہ شریف میں جا کر عبادت کروں تو میں نے تمہیں کتنی دفعہ کہا تھا کہ بیت اللہ کا دروازہ کھول دو تم نے نہیں کھولا تھا، مگر عثمان! جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کروں گا، میں یہ چابی تمہیں ہی واپس کرتا ہوں اور یہ قیامت تک تمہاری نسل میں چلتی رہے گی۔ تو نبی ﷺ نے ایک مثال قائم کر دی کہ دیکھو دشمن کا دل جیتنے کا یہ طریقہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝﴾ [فصلت: ۳۴]

تم برائی کو نیکی کے ساتھ دھکیل دو پھر جو تمہارا جان کا دشمن ہے وہ تمہارا جگری یار بن جائے گا۔

چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر نبی ﷺ قریش کے سرداروں کی طرف متوجہ ہوئے قریش کے سرداروں سے پوچھا تم کیا سمجھتے ہو کہ میں

تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا:

((أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ)) [السنن الکبری للبیہقی، رقم:۱۸۲۷۵]

آپ کریم ہیں اور کریم کے بیٹے ہیں۔

ہمیں آپ سے اچھائی ہی کی توقع ہے۔ یہ ہوتی ہے عظمت کہ دشمن بھی گواہی دیں کہ آپ عظیم ہیں ہمیں آپ سے اچھائی کی توقع ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا میں آج وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا:

((لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ)) [یوسف:۹۲]

جاؤ آج تمہارے اوپر کوئی طعن و تشنیع نہیں ہے۔

((اِذْهَبُوا أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ))

جاؤ میں نے تم سب کو آزاد کر دیا ہے۔

تو نبی ﷺ نے معافی کا اعلان کر دیا اور کفار کے دل جیت لیے۔

آج دنیا کہتی ہے کہ مسلمانوں نے تلوار کے ذریعے سے فتوحات کی تھیں۔ بھئی! یہ نبی ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ تھے جن کی وجہ سے فتوحات ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اپنے اخلاقِ عظیمہ کی وجہ سے فتح حاصل کی۔

بس پھر کیا تھا پھر تو فوج در فوج لوگ دین میں داخل ہونے لگے۔

﴿وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝﴾ [النصر:۲]

مکہ کی بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کو یقین تھا مگر وہ اسلام میں داخل ہونے سے جھجکتے تھے کہ ان کو قریش کی مخالفت کا خوف تھا۔ اس وجہ سے تذبذب کا شکار تھے۔ آج جب قریش کے سردار بھی مسلمان بن گئے تو ان لوگوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے

اپنے دین میں داخل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ③﴾ [النصر: ۳]

اے محبوب! اللہ کی تسبیح بیان کیجیے اور اس کی حمد بیان کیجیے۔ تسبیح کہتے ہیں سبحان اللہ کو اور حمد کہتے ہیں اللہ کی تعریف کو۔ اور اللہ کے سامنے استغفار کیجیے۔ بے شک اللہ ہی توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔

یہاں ایک نکتہ ہے کہ نبی ﷺ کو یہ حکم کیوں دیا گیا کہ آپ استغفار کریں جبکہ نبی ﷺ تو معصوم تھے اور معصوم کے لیے استغفار کیا حکم رکھتا ہے؟

محدثین نے اس کی مختلف وجوہات بتائی ہیں:

ایک تو یہ کہ انسان اپنے کام کرنے میں جتنی بھی کوشش کر لے پھر بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ تو اس وجہ سے اللہ نے فرمایا:

﴿وَاسْتَغْفِرْهُ﴾

اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے خود فرمایا:

((إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي، وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ))

[مسلم، رقم: ۲۷۰۲]

میرے دل پر ایک پردہ آ جاتا ہے اور میں دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

ایک لفظ ہے "رَين" رین زنگ کو کہتے ہیں۔ وہ ہمارے دلوں پر ہوتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑭﴾ [المطففین: ۱۴]

جو یہ کام کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا گیا۔

تو ہمارے دلوں پر رین ہوتا ہے۔ اور نبی ﷺ کے قلب میں غین تھا۔ غین کس کو کہتے ہیں؟ غین کہتے ہیں کہ بندہ کام کی مصروفیت کی وجہ سے اصل مقصد سے تھوڑی دیر کے لیے اوجھل ہو جائے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ بیوی کو اپنے خاوند سے بڑا پیار ہوتا ہے لیکن جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور وہ ماں بن جاتی ہے تو اس کی توجہ بٹ جاتی ہے۔ ہم نے سنا کہ بعض مرد اپنی بیویوں سے شکوے کرتے ہیں کہ آپ تو مجھے بھول ہی گئی، اب تو میرے لیے ٹائم ہی نہیں ہوتا۔ وہ کہتی ہے کہ ٹائم تو بہت ہے مگر مجھے بچے کو بھی تو اٹینڈ کرنا ہے اس کا خیال بھی تو رکھنا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ رحمۃ للعالمین تھے اور امت پر آپ بہت شفیق تھے تو کئی مرتبہ امت کی طرف اتنے متوجہ ہو جاتے تھے کہ نبی ﷺ محسوس کرتے تھے کہ مجھے جس طرح یکسوئی کے ساتھ اللہ کی یاد رکھنی چاہیے تھی وہ نہیں ہو سکا۔ اس کو غین کہا گیا اور اس پر بھی نبی ﷺ سو مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے اترنے کے بعد نبی ﷺ استغفار کی کثرت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد نبی ﷺ اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے ہر وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

((سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ))

رکوع اور سجدوں میں نبی ﷺ پڑھتے تھے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ))

[بخاری، رقم: ۷۶۱]

﴿إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝٣﴾ [النصر: ٣]

اللہ تعالیٰ یقیناً توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔

اس سورت کے نازل ہونے پر بعض صحابہ سمجھ گئے کہ نبی ﷺ کی جدائی کا وقت قریب ہے۔ چنانچہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم تو اس سورت کے نازل ہونے پر خوشیاں منا رہے تھے کہ اللہ نے فتح کی خوشخبری دے دی۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ باقی صحابہ حیران ہوئے کہ بھئی ہم خوشیاں منا رہے ہیں کہ فتح کی خوش خبری آ گئی اور یہ رو رہے ہیں۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ رو کیوں رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اس میں نبی ﷺ کی الوداعی کی جھلک نظر آ رہی ہے۔ تو نبی ﷺ نے دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت غمزدہ ہیں تو نبی ﷺ نے ان کے دل کی تسلی کے لیے تین چار باتیں کیں۔

پہلی بات:

((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُهُ، وَلٰكِنْ خُلَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ)) [بخاری، رقم:٦٣٥٧]

اگر میں دنیا میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ مگر میری خلت اسلامی تک بات کافی ہے۔

دوسری بات:

میں نے سب کے احسانات کے بدلے دے دیئے، ابوبکر تیرے احسان اتنے ہیں کہ تیرے احسان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ دے گا۔

آپ اندازہ لگایئے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ پر کتنے احسانات کیے ہوں گے۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسجد نبوی ﷺ میں جتنے دروازے ہیں سب بند کر

دیے جائیں سوائے ابوبکر کے دروازے کے کہ ابوبکر مسجد سے میرے گھر کی طرف دیکھ سکے۔ کیونکہ وہ عاشق صادق تھے تو ان کا دروازہ نبی ﷺ نے باقی رہنے دیا۔ اس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کچھ تسلی ہوئی اور وہ جو غم کی کیفیت تھی وہ آسان ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا کہ بیٹی اس سورت سے پتہ چلتا ہے کہ میری الوداعی کا وقت قریب ہے بیٹی تھیں وہ رونے لگ گئیں پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا بیٹی روؤ نہیں میرے گھر والوں میں سب سے پہلے تم ہی مجھے آکر ملو گی۔ تو مسکرانے لگ گئیں۔ اللہ کی شان دیکھیں کہ جو نبی ﷺ نے فرمایا اسی کے مطابق ہوا۔ آپ کی وفات حسرتِ آیات ہوئی اور اس کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کچھ ہی دنوں بعد نبی ﷺ کے ساتھ جا ملیں۔

سورۃ النصر سے حاصل ہونے والا سبق

اس سے پتہ چلا کہ اللہ کی مدد پہلے آتی ہے فتوحات بعد میں ہوتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو فتوحات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا نتیجہ ہیں۔ کسی لشکر کی قوت یا کسی کی ذاتی صلاحیت کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوحات کے دروازے کھلے ہوتے ہیں نا وہ بندے کی اپنی محنت نہیں ہوتی، وہ اللہ کا انعام ہوتا ہے۔ ایسے بندے کو جس پر فتوحات کے دروازے کھلے ہوں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اب تیرا وقت قریب ہے۔

1 ...... اگر کوئی مجاہد جنگ میں شریک ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ سورۃ النصر پڑھے اللہ اس کی مدد فرمائیں گے۔ اور اس کو دشمن پر فتح عطا فرمائیں گے۔

❁ ......میں چھوٹا تھا مجھے بڑا شوق تھا کہ میں کلاس میں فسٹ آؤں، سردی کی عمر کا شاید ہوں گا۔ تو میری والدہ مجھے بتاتی تھیں کہ بیٹا! جب تم پیپر دینے کے لیے جاؤ تو پڑھنا نَصرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتحٌ قَرِيب، تو میں پڑھتا ہوا جاتا تھا اور الحمد للہ پھر کلاس میں فسٹ آتا تھا۔ تو طلبہ کے لیے یہ بھی ایک نکتہ ہے کہ نَصرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتحٌ قَرِيب، پڑھتے ہوئے جائیں پھر خوشی اور کامرانی کے ساتھ واپس آئیں۔

❁ ......علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی بندہ جال سے مچھلیاں پکڑتا ہو اور وہ اپنی جال میں ایک لکڑی پر سورۃ النصر لکھ کر لگا دے تو جب جال پھینکے گا تو مچھلیاں جوق در جوق اس میں داخل ہوں گی اور خوب شکار ملے گا۔

......ہر ایک مراد پانے کے لیے اس سورت کو ایک سو تیئیس ۱۲۳ مرتبہ سترہ دن تک پڑھنا مفید ہے۔

❁ ......پانچ نمازوں کے بعد سات مرتبہ اس سورت کا پڑھنا بڑی مشکلوں کے کھولنے کے لیے مفید ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حالات ٹھیک نہیں ہو رہے اللہ کی مدد نہیں آ رہی ہر نماز کے بعد سات مرتبہ سورۃ النصر پڑھیں اللہ تعالیٰ ان کو اس سے نجات عطا فرما دیں گے۔

❁ ......ایک شخص نے ابنِ سیرین رحمہ اللہ جو تعبیر الرؤیا کے امام تھے ان کو کہا: جی میں خواب میں سورۃ النصر پڑھ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اچھا بھائی اوصیت کرلو، اس لیے کہ تمہارا کام مکمل ہو گیا، اب الوداع قریب ہے۔ اور ایسا ہی ہوا کہ چند دنوں بعد اس بندے کی وفات ہو گئی۔

﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾

سورۃ الکافرون

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤﴾ [الفلق: ۱ تا ۵]

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

سورۃ کا مختصر تعارف:

سورۃ الکافرون اکثر مفسرین کے نزدیک مکی سورت ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اس کو مدنی قرار دیا ہے۔

یہ سورت ایک رکوع اور چھ آیات پر مشتمل ہے۔

اس سورت کے کل الفاظ و کلمات 26 اور کل حروف 99 ہیں۔

سورۃ کافرون ترتیب کے لحاظ سے قرآن کریم میں 109 نمبر کی سورت ہے۔نزول کے اعتبار سے اٹھارویں (18) سورت ہے۔سورۃ الماعون کے بعد اور سورۃ الفیل سے پہلے نازل ہوئی۔

سورۃ مبارکہ کے نام:

مفسرین کرام نے اس سورت مبارکہ کے متعدد نام ذکر کیے ہیں:

1 ......سورۃ الکافرون:

کیونکہ اس کی ابتداء میں ''الکافرون'' کا لفظ آیا ہے۔

2 ......سورۃ المشقشقہ:

''مشقشقہ'' کا معنی ہے: براءت دینے والی۔اس سورت کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ نفاق اور شرک سے براءت دینے والی سورۃ ہے۔

3 ......سورۃ العبادۃ:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ مشرکین کو اعلان کر دیں کہ ''لا اعبد ما تعبدون'' (میں ان بتوں کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو)۔

4 ......سورۃ الدین:

کیونکہ اس کے آخر میں ''لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ'' آیا ہے۔

5 ......سورۃ الاخلاص:

قرآن مجید کی مشہور سورت، سورت اخلاص کے علاوہ اس سورت کو بھی سورت اخلاص کہا گیا ہے۔کیونکہ اس سورت میں بندہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں صرف

اور صرف اللہ کا بندہ ہوں اور میری عبادت خالص اللہ کے لیے ہے۔

5 ......سورۃ المنابذہ (امام رازی رحمہ اللہ نے یہ نام ذکر کیا ہے)۔

رُوِيَ أَنَّ ابنَ مَسعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ دَخَلَ المَسجِدَ وَالنَّبِيُّ ﷺ جَالِسٌ، فَقَالَ لَهُ: نَابِذ يَا ابنَ مَسعُودٍ! فَقَرَأَ { قُل يَاأَيهَا الكافرون }. ثُمَّ قَالَ له فِي الرَّكعَةِ الثَّانِيَةِ: أخلِص. فَقَرَأَ { قُل هُوَ الله أَحَدٌ } فَلَمَّا سَلَّمَ، قَالَ: يَا ابنَ مَسعُودٍ! سَل، تُجَب.

ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور نبی ﷺ تشریف فرما تھے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: اے ابن مسعود! سورۃ نابذ کی تلاوت کرو۔ انہوں نے "قل یاایھا الکافرون" پڑھی۔ پھر دوسری رکعت میں فرمایا کہ سورہ اخلاص پڑھو۔ انہوں نے "قل ھو اللہ احد" پڑھی۔ جب سلام پھیر دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: دعا مانگو، تمہاری دعا قبول ہوگی۔

ربط و مناسبت:

1 ......پچھلی سورت میں "فصل لربك وانحر" کہہ کر رب کی عبادت کا حکم دیا گیا اور اس سورت میں "لا اعبد ما تعبدون" میں اللہ کی عبادت کا اقرار اور معبودانِ باطلہ کی عبادت سے براءت کا اعلان کیا گیا ہے۔

2 ......سورۃ الکوثر میں خیر کثیر کا وعدہ دیا گیا، خیر کثیر میں سرفہرست توحید و ایمان ہے۔ اس سورت میں آپ ﷺ کو توحید کا اعلان اور شرک سے براءت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

شانِ نزول:

اس سورت کے شانِ نزول میں مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں:

❶ ......سعید بن مینا بیان کرتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور اُمیہ بن خلف حضور اقدس ﷺ سے ملے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! ہم آپ کے ساتھ صلح کرتے ہیں، ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرلیا کریں تو دوسرے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، پھر اگر آپ کے دین میں بہتری ہوتو ہم آپ کے دین وطریقہ کو اختیار کریں گے اور اگر ہمارے دین میں خیر وبھلائی ہوتو آپ ہمارے دین کو اختیار کرلیں گے۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔

❷ ...... امام طبرانی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش نے حضور ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ کے سب سے مالدار ہو جاؤ گے، اور جس عورت سے تم چاہو گے تمہارا نکاح بھی کرائیں گے لیکن ہمارے معبودوں کو بُرا کہنا ترک کردیں اور اگر آپ یہ نہیں مانتے تو پھر ایسا کریں کہ آپ ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کرلیا کریں تو دوسرے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرلیں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم نازل ہوتا ہے۔تو اس کے جواب میں سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔

آپ ﷺ نے ان کی پیشکش کو از خود رد نہیں کیا، بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کردیا، کیونکہ آپ کو نورِ نبوت سے یہ معلوم تھا کہ اس سلسلے میں پوری سورت نازل ہونے والی ہے۔

سورت کے فضائل:

❶ ......حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کے پڑھنے کا ثواب

چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے مقصودی مضامین چار ہیں:

❶ ......احکام شرعیہ یعنی نماز، روزہ، حلال وحرام کے احکام۔

❷ ......احوال معاد یعنی آخرت کے حالات۔

❸ ......امر بعبادۃ اللہ

❹ ......نہی عن عبادۃ غیر اللہ

اس سورت میں چوتھی قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔

❷ ......حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق چاشت کی نماز نہیں پڑھ سکتا اور قل یا ایہا الکفرون نہیں پڑھتا۔

❸ ......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ابلیس کے لیے سورۃ الکافرون سے زیادہ غصہ دلانے والی کوئی اور سورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں توحید کا بیان ہے اور شرک سے براءت کا اعلان بھی۔

فجر اور مغرب کی سنتوں کی قراءت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز فجر کی سنتوں میں پڑھنے کے لئے دو سورتیں بہتر ہیں:

❶ سورۃ الکافرون ❷ سورۃ الاخلاص

متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی سنتوں میں اور مغرب کی نماز میں انہی دو سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

رات کا وظیفہ:

حضرت فروہ بن نوفل کا بیان ہے کہ میرے والد نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ جس کو میں سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قل یایھا الکفرون'' پڑھ لیا کرو، اس میں شرک سے بیزاری کا اظہار ہے۔

سفر کا وظیفہ:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوشحال و بامراد رہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بیشک میں ایسا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آخرِ قرآن کی پانچ سورتیں سورۃ کافرون، سورۃ نصر، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس پڑھا کرو اور ہر سورۃ کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو۔

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا حال یہ تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلے میں تنگدست اور خستہ حال ہوتا تھا۔ جب سے رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کیا تو میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔

بچھو کے کاٹنے کا علاج:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے پانی اور نمک منگوایا اور یہ پانی کاٹنے کی جگہ لگاتے جاتے تھے اور قل یا ایھا

الکافرون، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے جاتے تھے۔

ترجمہ

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ﴾

آپ کہہ دیجئے! اے کفر کرنے والو!

﴿لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾

میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں۔

﴿وَلَا أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾

اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو۔

﴿وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾

اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا۔

﴿وَلَا أَنْتُمْ عٰبِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾

اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کروگے۔

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾

تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

تفسیر

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُونَ﴾

''ایها الکافرون'' کے مخاطب مخصوص کافر ہیں جو صلح کے خواستگار تھے، جن کے

بارے میں اللہ کو علم تھا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف حکم ہوا تھا کہ نرمی اور رحمت کا معاملہ کریں، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ" اور اس بات کا بھی حکم ہوا تھا کہ لوگوں کو دین اسلام کی طرف احسن طریقے سے دعوت دیں، ارشاد خداوندی ہے: "وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" یہاں حضور ﷺ نے ان کو "کافرون" کے لفظ سے مخاطب کیا جو کہ رفق کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ قل میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کافر کہنا بھی اللہ کی طرف سے امر تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے، اپنی طرف سے نہیں کہا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کفار نے حضور ﷺ کو "اَبتَر" کہا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! اگر آپ چاہیں تو ان سے قصاص لیں اور ایسا وصف مذموم ذکر کریں جو اُن میں موجود ہے اور آپ کہیے: "یا ایہا الکافرون"۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ کافر کا لفظ کوئی گالی نہیں ہے جو اس آیت کے مخاطبوں کو دی گئی ہے، بلکہ عربی زبان میں کافر کے معنی انکار کرنے والے اور نہ ماننے والے کے ہیں اور اس کے مقابل مومن کا لفظ مان لینے اور تسلیم کر لینے والے کے لئے بولا جاتا ہے۔

عبادت کا معنی:

عبادت کا معنی ہے:

"اَلْقِيَامُ بِأَمْرِهِ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي بِهِ أَمَرَ، وَبِالْقَدْرِ الَّذِي بِهِ أَمَرَ، وَفِي الْوَقْتِ الَّذِي فِيهِ أَمَرَ.

اللہ تعالیٰ کا حکم ایسے طریقے سے پورا کرنا جس کا حکم دیا ہے، اور اتنی مقدار میں عمل کرنا جتنا حکم دیا ہے اور اس وقت میں پورا کرنا جس میں کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس سورت میں یہ چند کلمات مکرر آئے ہیں حالانکہ فصحاء کے نزدیک کلام میں تکرار اچھا نہیں ہوتا۔ اس کے مفسرین نے مختلف جوابات دیئے ہیں:

1 ...... یہ کلمات ''لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ'' پہلی مرتبہ میں زمانہ حال کے لئے ہیں اور دوسری بار ''وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ'' زمانہ مستقبل کے لئے ہیں، اس لئے تکرار نہیں ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ نہ تو فی الحال ایسا ہے کہ میں تمہارے معبودان باطلہ کی عبادت کروں، اور نہ آئندہ ایسا ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں۔

2 ...... پہلی بار ''لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ'' زمانہ مستقبل کے لئے اور دوسری مرتبہ ''وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ'' ماضی سے خبر دینے کے لئے ہیں۔ یعنی نہ میں آئندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ میں نے پہلے کبھی تمہارے معبودوں کی عبادت کی ہے، لہٰذا کوئی تکرار نہیں ہے، دونوں کا مقصد جدا جدا ہے۔

3 ...... پہلی مرتبہ ''لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ'' حرف ''ما'' موصولہ (بمعنی الذی) اور دوسری بار ''وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ'' میں حرف ''ما'' ''مصدریہ ہے''۔ مقصد یہ ہے کہ پہلے جملے میں بتایا گیا کہ تمہارا معبود الگ ہے اور میرا معبود الگ ہے۔ نہ میں تمہارے معبود کی عبادت کرتا ہوں، نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو۔ اور دوسرے جملے میں بتایا گیا کہ میرا اور تمہارا

طریقۂ عبادت جدا جدا ہے۔تم میری عبادت کے طریق پر عبادت نہیں کرتے، میں تمہارے طریق پر عبادت نہیں کرتا۔

4 ......بعض مفسرین نے یہ تفسیر اختیار کی ہے کہ یہ تکرار کے لئے ہے اور اس کا فائدہ تاکید ہے جیسا کہ ''فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا'' میں ہے۔کیونکہ کفار کی طرف سے مصالحت کی پیشکش متعدد مرتبہ ہوتی تھی تو مکرر تردید بھی ضروری تھی۔جیسا کہ اُردو میں کہا جاتا ہے:''میں نے یہ کام نہیں کرنا،نہیں کرنا،نہیں کرنا''۔

5 ......عربی میں تکرار کلام تاکید کے لئے ہوتی ہے،اور عبارت کی عین خوبی وزینت سمجھی جاتی ہے۔امام فراء نے فرمایا:

''إِنَّ القرانَ نَزَلَ بِلُغَةِ العَرَبِ وَ مِن عَادَتِهِمْ تَكرَارُ الكَلَامِ لِلتَّاكِيدِ وَالإِفهامِ''

''قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تاکید اور افہام کے لیے کلام میں تکرار لاتے ہیں۔''

❁ ......یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانے کے کافروں میں سے بہت لوگ مسلمان ہو گئے تھے پھر یہ کیسے فرمایا کہ تم لوگ آئندہ بھی میرے معبود کی عبادت کرنے والے نہیں ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص موحد ہوتے ہوئے مشرک نہیں ہو سکتا اور مشرک ہوتے ہوئے موحد نہیں ہو سکتا۔مذکورہ بالا خطاب کافروں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تک تم مشرک ہو میرے معبود کی عبادت نہیں کر سکتے،ہاں اگر شرک چھوڑ دے اور مسلمان ہو جائے تو اور بات ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب ان کافروں کو تھا جن کے بارے میں تقدیری فیصلہ ہو چکا تھا کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ﴾

مفسرین کرام نے اس آیت کے کچھ معانی بیان کئے ہیں:

❶ ...... "دین" سے مراد معروف معنیٰ ہے۔ یعنی طریقۂ زندگی۔ تو مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے وہ دین ہے جس کا تم لوگ عقیدہ رکھتے ہو جو کفر ہے اور میرے لیے وہ دین ہے جس کا میں عقیدہ رکھتا ہوں جو کہ اسلام ہے۔

❷ ...... "دین" سے مراد "جزاوسزا" ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کی جزا ہے اور میرے لیے میرے اعمال کی جزا ہے۔

گویا کہ یہ حضور ﷺ کی جانب سے ان کو دھمکی ہے کہ میرے عمل پر مجھے ثواب اور رضائے الٰہی ملتی ہے اور تمہارے اعمال پر تم کو عذاب ہوگا۔

سوال: آپ ﷺ مشرکین مکہ کے ایمان سے کیوں ناامید ہوگئے، حالانکہ آپ ﷺ کی بعثت تو ان کی ہدایت ہی کے لئے ہوئی تھی؟ نیز آپ تو ان کے ایمان پر بہت زیادہ حریص تھے۔

جواب: ایمان نہ لانے کی اطلاع کچھ مخصوص کافروں کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا تھا کہ فلاں فلاں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾

اس آیت کو بنیاد بنا کے بعض حضرات اپنے آپ کو کفار کو دین کی دعوت دینے سے بری

الذمہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب آپ نے ان کو دعوت دینے کا حق ادا کر دیا۔ تو جب کوئی مسلمان کافروں کو دین کی دعوت دیتا ہے اور وہ قبول نہیں کرتے، پھر بندہ کہہ سکتا ہے: ''لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ''۔

سورت کافرون کے فوائد

✿..... سورت الکافرون سے ایک بات واضح طور پہ سمجھ میں آرہی ہے کہ نبی اور ان کے متبعین شرک سے بیزار ہوتے ہیں اور اس کے لیے ادنیٰ قسم کی نرمی کے بھی روادار نہیں ہوتے۔

✿..... دوسری بات یہ کہ دین اسلام کے پیروکار دین پر استقامت کے ساتھ ڈٹے ہوتے ہیں۔ مال ومتاع کی لالچ یا کسی قسم کا خوف ان کے عزائم میں تزلزل پیدا نہیں کر سکتا۔

✿..... حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے دین اسلام کے بارے میں ایسی بات بتائیں کہ آپ کے علاوہ کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ اسْتَقِمْ.''

کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اسی پر استقامت اختیار کرو۔

اور اسی کے بارے میں مشائخ صوفیاء نے فرمایا:

''الاستقامۃُ خیرٌ من ألفِ کرامۃٍ.''

✿..... حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سورت میں اہل ضلال سے تبری ومفارقت کی

تصریح ہے، اور اسی کا دوسرا نام ''بغض فی اللہ'' ہے۔

سورت کافرون سے حاصل ہونے والا سبق

✿......عقیدے کے اعتبار سے اس دنیا میں دو ملتیں رائج ہیں، کفر اور اسلام۔ کفر، اللہ سے بغاوت کا نام ہے اور اسلام اللہ کی بندگی کا طوق گلے میں ڈالنے کا نام ہے۔ اس لیے یہ دونوں ملتیں کبھی ایک نہیں ہوسکتیں۔ دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اللہ کی بندگی اختیار کریں، بلکہ اللہ سے بغاوت اور سرکشی کرنے والوں سے براءت اور بیزاری کا اظہار بھی کردیں۔ کفر کے لیے دل میں نرم گوشہ کبھی برداشت نہیں ہے۔ دعائے قنوت میں ہم روزانہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں، وَ نَخْلَعُ وَ نَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس کیفیت کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾

''تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو، ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہوگیا ہے جب تک تم صرف ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔''

✿......کبھی کبھار سادہ لوح مسلمان مصلحت پسندی کا شکار ہوکر کافروں کے لیے لچک کا

راستہ اختیار کرتے ہیں۔اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طریقے سے عالمی دنیا میں مسلمانوں کے لیے حالات سازگار ہو جائیں۔ مسلمانوں سے شدت پسندی کا داغ مٹ جائے گا۔ حالانکہ اس طرح کی کوششوں کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکلے۔ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾

اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ دین اسلام نے اعلیٰ اخلاق، رواداری اور صلح مندی کو بہترین صفت قرار دیا ہے اور کافروں کے ساتھ انہی صفات کا مظاہرہ کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔لیکن خوش خلقی اور رواداری اور چیز ہے، اور کفر کے لیے لچک اور میلان اور چیز ہے، دونوں کا فرق جاننا ضروری ہے۔

سورت کافرون کے خواص

1 ...... جو آدمی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے اوقات میں سورۃ الکافرون کا معمول رکھے وہ شرک سے محفوظ رہے گا۔

2 ......اس سورۃ کا ہمیشہ پڑھنا کفر سے دل و دماغ کو محفوظ رکھتا ہے۔

3 ...... جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سورۃ الکوثر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ② إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ③﴾

[الکوثر:۱،۲،۳]

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

سورت الکوثر:

یہ سورت ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔تعداد آیات کے لحاظ سے یہ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت ہے۔کل کلمات 10 اور کل حروف 42 ہیں۔

مکی ومدنی سورتوں کی تعریف:

جو قرآنی سورتیں نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر ہجرت مدینہ سے پہلے نازل

فرمائی گئیں انہیں ''مکی سورتیں'' اور جو سورتیں ہجرت مدینہ کے بعد مدنی زندگی میں اتاری گئیں انہیں ''مدنی سورتیں'' کہا جاتا ہے۔سورت کوثر کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ یہ سورتِ مقدسہ رحمت عالم ﷺ پر دو مرتبہ نازل فرمائی گئی۔ ایک بار مکی دور میں اور دوسری مرتبہ مدنی زندگی میں۔ گویا سورۃ کوثر کو مکی سورت ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہوا اور مدنی سورت ہونے کا شرفِ عظیم بھی اس کے حصے میں آیا۔

خادمِ رسول ﷺ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ایک مرتبہ ہم (مسجد نبوی ﷺ میں) رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔

((إذ أغفى إغفاءةً))

اچانک آپ ﷺ پر غنودگی چھا گئی۔ (یعنی آپ ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت اور حالت طاری ہوگئی)۔

((ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مُتَبَسِّمًا))

پھر تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے سر مبارک کو جنبش دی۔تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُورَةٌ))

مجھ پر ابھی ایک سورۃ نازل فرمائی گئی ہے۔ (اس سورۃ میں بیان کردہ انعامات، احسانات اور نوازشات کی وجہ سے میرے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی ہے۔)

((فَقَرَأَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ)) [بخاری، رقم:۴۰۰]

پھر آپ ﷺ نے سورۃ کوثر کی تلاوت فرمائی۔

ربط و مناسبت:

یہ سورت پہلی سورت کے مقابلے میں ہے۔ سورۃ الماعون میں منافق و بے دین کے چار بڑے اوصاف بیان کئے گئے تھے:

❶ بخل...... ❷ ریا...... ❸ ترکِ صلوۃ...... ❹ منعِ زکوۃ......

اس سورت میں ''بخل'' کے مقابلے میں ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ فرمایا، ''ترک صلوٰۃ'' کے مقابلہ میں ﴿فَصَلِّ﴾ (نماز پڑھو) فرمایا، ''ریا'' کے مقابلہ میں ''﴿لِرَبِّكَ﴾ (اَیْ لِرِضَائِہٖ لَا لِلنَّاسِ) فرمایا اور منعِ زکوۃ کے مقابلہ میں ﴿وَانْحَرْ﴾ فرمایا۔ ''وَاَرَادَ بِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی التَّصَدُّقَ بِلُحُوْمِ الْاَضَاحِیْ'' یعنی قربانی کے گوشت کو صدقہ کرنا مراد ہے۔

وجہ تسمیہ:

اس سورت کو ''سورۃ الکوثر'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ''کوثر'' کا ذکر ہے۔

ہمارے مشائخ نے کوثر کے اٹھارہ مطلب بتائے ہیں۔ بڑی غور طلب بات ہے۔

شانِ نزول:

اس کا سببِ نزول یہ تھا کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ جن کے لقب طیب اور طاہر ہیں، ان دونوں صاحبزادوں کا چھوٹی ہی عمر میں پے در پے انتقال ہوگیا، کفار نے طعنے کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ''ابتر'' کا لفظ بولا (یعنی ان کی نسل ختم ہوگئی اور ان کے بعد کوئی ایسا نہیں جو ان کے دین کو قائم رکھے اور قریب ہے کہ ان کا دین ختم ہو جائے

گا۔) ایسا کہنے والوں میں خاص طور پر عاص بن وائل سہمی کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے سامنے جب حضور ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو کہتا کہ ان کی بات چھوڑو، کوئی فکر نہ کرو۔ کیونکہ وہ ''اَبتَر'' (مقطوع النسل) ہیں، جب ان کا انتقال ہو جائے گا تو کوئی ان کا نام لینے والا بھی نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلبِ مبارک کے تسلی کے لئے یہ سورۃ نازل فرمائی۔

ترجمہ

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾

پس آپ اپنے رب کی رضا کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾

یقیناً آپ کے دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

تفسیر

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔

فوائد:

1 ...... ''اِنَّا'' شروع میں لایا گیا جس کا معنی ہے: (بے شک ہم نے)، تاکہ معلوم ہو کہ یہ عطاء سب سے بڑے معطی کی ہے اور ہر معطی اپنی شان کے مطابق عطا

کرتا ہے۔آپ نے دنیا میں دیکھا ہوگا کہ جب کسی دوست کی طرف کوئی گفٹ پیک بھیجا جائے نا.....تو اوپر خوبصورت نام لکھتے ہیں کہ فلاں کی طرف سے یہ ہدیہ محبت ہے۔خط ہو تو اس پر لکھتے ہیں۔پھلوں کی ٹوکری ہو تو اس پر لکھتے ہیں۔تو اللہ رب العزت نے چونکہ اس میں انعامات کا تذکرہ کیا تو اس کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ اے میرے محبوب! یہ میری طرف سے انعام ہے۔انا کا لفظ بتا رہا ہے۔

﴿إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ﴾

2 ...... ''أَعْطَيْنَا'' فرمایا، ''اٰتَيْنَا'' نہیں فرمایا۔کیونکہ ''إِيتَاءٌ'' عام ہے کسی خدمت کے صلہ میں بھی ہوسکتا ہے اور محض احسان بھی ہوسکتا ہے۔بخلاف ''إِعْطَاءٌ'' کے کہ وہ فقط کرم ہی کرم ہوتا ہے، کسی خدمت کا معاوضہ اور صلہ نہیں ہوتا۔مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ عطا ہوا ہے وہ عام انعام نہیں ہے، بلکہ خصوصی انعام واحسان ہے۔

3 ......خطاب میں ''كَ'' لایا گیا ''كُمْ'' نہیں لایا گیا تاکہ یہ مفہوم ہو کہ یہ عطا صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہی ہے، اس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

جب انعام کی باری آتی ہے تو دینے والے کو دیکھا جاتا ہے۔دینے والا جتنا بڑا ہوتا ہے، انعام اتنا ہی بڑا ہوتا ہے۔جیسے لوگ فخر سے بتاتے پھرتے کہ جی مجھے تو فلاں نے انعام دیا تھا۔جب انعام دینے والا اللہ رب العزت ہے تو پھر انعام کی عظمت بہت بڑھ گئی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ①﴾ اے محبوب بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔

لفظ ''کوثر'' کا ماخذ:

لفظ ''کوثر'' کثرت سے ماخوذ ہے، اس کا وزن ''فَوْعَلٌ'' جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔اس

کا معنی ہے:

''اَلشَّيْءُ الْكَثِيْرُكَثْرَةً مفرطة''

کسی چیز کا حد سے زیادہ کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔

''کوثر'' کا مصداق

''کوثر'' کا مصداق یہاں کیا ہے؟ اس سلسلے میں روایات وآثار اور اقوال بہت ہیں بطور خلاصہ ان میں سے قابلِ ذکر اقوال یہ ہیں:

❶ ......أَنَّهُ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ:

کوثر جنت کی وہ نہر ہے جو آپ ﷺ کو شبِ معراج میں دکھائی گئی تھی جس کی تفصیل مختلف احادیث میں یوں نقل کی گئی ہے:

((حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ مُجَوَّفًا)) [بخاری، رقم: ۴۹۶۴]

اس کے دونوں کناروں پر اندر سے خالی موتیوں کے خیمے لگے ہوئے تھے۔

((مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ))

اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔

((وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ)) [بخاری، رقم: ۶۵۷۹]

اس کے پانی کی خوشبو مشک جیسی تھی۔

((أَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ)) [سنن الترمذی، رقم: ۲۴۰۵]

شہد سے زیادہ شیریں ہے۔

اس کی زمین موتی اور یاقوت کی ہے۔

اس کی وسعت ایلیا سے صنعاء تک ہے۔

اس کے آبخورے ستاروں کے تعداد کے برابر ہیں۔

اور اس کے برتن سونے اور چاندی کے ہیں۔ جیسے واٹر کولر کے پاس گلاس پڑے ہوتے ہیں۔

اس نہر کو دیکھنے کے بعد حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب دیا:

((هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ)) [بخاری، رقم:۶۵۸۱]

2 ...... حوض فی الحشر:

وہ حوض کوثر ہے جو محشر میں ہوگا۔

یہ وہ حوض ہوگا جو میدانِ محشر میں ہوگا۔ روزِ محشر کی سختی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے امت کے پریشان اور پیاسے غلاموں کو ساقی کوثر کے ہاتھوں سے جام ملے گا تو ساری گھبراہت اور پیاس ختم ہو جائی گی آرام اور سکون نصیب ہوگا۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَإِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ مِنْ مَقَامِي هٰذَا))

[بخاری، رقم:۴۰۴۲]

میری اور تمہاری ملاقات حوض پر ہوگی اور میں یہاں سے اسے دیکھ رہا ہوں۔

احادیث میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

((إِنَّ مِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي)) میرا منبر حوض پر ہوگا۔ [مسند احمد، رقم:۹۱۵۴]

یعنی جیسے کوئی بندہ کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے، تو اللہ کے حبیب ﷺ اس سبیل کے پاس

کرسی پر تشریف فرما ہوں گے۔

((فِيهِ مِيزَابَانِ يَمُدَّانِهِ مِنَ الْجَنَّةِ أَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَالْآخَرُ مِنْ وَرِقٍ))

[مسلم، رقم: ۲۳۰۱]

اس حوض میں جنت سے دو پرنالے جاری ہوں گے تو اس پانی کو ختم نہیں ہونے دیں گے ایک سونے کا ہوگا اور دوسرا چاندی کا۔

((وَإِنَّ آنِيَتَهُ أَكْثَرُ مِنْ نُجُومِ السَّمَاءِ)) [مسندِ احمد، رقم: ۱۳۴۰۵]

اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہوں گے۔

((زَوَايَاهُ سَوَاءٌ)) اروں اطراف برابر ہوں گے۔ [المعجم الاوسط للطبرانی، رقم: ۹۰۲۹]

((إِنَّ أَمَامَكُمْ حَوْضِي مَا بَيْنَ جَنْبَيْهِ كَمَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَأَذْرُحَ))

[مشکوٰۃ، رقم: ۵۶۰۷]

تمہارے آگے میرا حوض ہے جس کی وسعت جرباء اور اذرح کے درمیان کے فاصلے کے برابر ہے۔

((مَنْ وَرَدَهُ فَشَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا أَبَدًا)) [مشکوٰۃ، رقم: ۵۶۰۷]

جو شخص حوض کوثر سے ایک مرتبہ "آبِ کوثر" پیے گا پھر وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

تفسیر قرطبی میں لکھا ہوا ہے کہ میدانِ حشر میں "حوض کوثر" کے چاروں کونوں پر رسول کریم ﷺ کے چاروں خلفاء سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوں گے۔ اور آپ ﷺ کے امتیوں کو "آبِ کوثر" پلا رہے ہوں گے۔

کچھ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دستِ اطہر سے حوض کوثر کا جام پئیں گے، کچھ لوگ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بابرکت ہاتھوں سے حوضِ کوثر کا پانی نوش فرما رہے ہوں گے۔ بعض سعادت

مندوں کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جامِ کوثر پلائیں گے۔ اور بعض خوش نصیبوں کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کوثر کا جام پلائیں گے۔ اور کئی ایسے خوش قسمت ہوں گے جن کے لبوں سے آب کوثر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لگائیں گے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''وَأَنَّ عَلٰى أَرْكَانِهِ الأَرْبَعَةِ الْخُلَفَاءُ الأَرْبَعَةُ، رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ. وَأَنَّ مَنْ أَبْغَضَ وَاحِدًا مِنْهُمْ لَمْ يَسْقِهِ الْآخَرُ''

اور اس حوض کوثر کے چاروں کونوں پر خلفاء اربعہ تشریف فرما ہوں گے جو شخص ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بغض وعناد رکھے گا دوسرے حضرات اسے پانی نہیں پلائیں گے۔

☆..... جناب سمرہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان حشر کے حوضوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَإِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ وَارِدَةً، وَإِنِّي أَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً)) [جامع الترمذی، رقم:۲۴۴۳]

بلاشبہ (قیامت کے دن) ہر نبی کے لئے ایک حوض ہوگا۔ اور انبیاء کرام اپنے حوضوں پر آنے والوں کی تعداد پر فخر کریں گے اور مجھے امید ہے کہ میرے حوض پر آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

۶..... اَلنَّہْرُ رِفْعَۃُ الذِّکْرِ:

کوثر سے مراد ''رفعتِ ذکر'' ہے کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے لیا جاتا ہے۔ اور ہر وقت دنیا میں آپ کا ذکر ہوتا ہے۔

چونکہ مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد ان کا کوئی تذکرہ

نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: کہ ہم نے آپ ﷺ کو کوثر عطا کی ہے یعنی آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝﴾ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔[الانشراح:۴]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ان آیات کے نزول کے بعد جناب جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا:

((إِنَّ رَبِّي وَرَبَّكَ يَقُولُ: كَيْفَ رَفَعْتُ ذِكْرَكَ؟ قَالَ: وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، قَالَ: إِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِي)) [مسند ابی یعلی، رقم:۱۳۸۰]

بے شک میرا اور آپ ﷺ کا رب فرماتا ہے: کہ میرے محبوب سے پوچھو کہ میں اس کا ذکر کیسے بلند کروں؟ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: اس معاملے کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس طرح میرا ذکر بلند فرمانا ہے۔ جناب جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ آپ کے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ ﷺ کا ذکر بھی میرے ذکر کے ساتھ کیا جائے گا۔ یعنی جہاں ذکر خدا ہوگا وہاں ذکر مصطفی ﷺ ہوگا۔ چنانچہ کلمہ طیبہ، نماز، تشہد، خطبہ اور اذان الغرض ہر جگہ پر اللہ کے تذکرے کے بعد رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ آتا ہے۔

تورات اور انجیل میں حضور ﷺ کا تذکرہ ہے:

﴿الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾[الاعراف:۱۵۷]

کہ یہ وہ پیغمبر ہے کہ یہود و نصاریٰ ان کا ذکر تورات و انجیل میں پاتے ہیں۔

مشہور تابعی جناب عطاء بن یسار رحمہ اللہ نے صحابی رسول ﷺ جناب عبد اللہ بن

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

((أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاةِ، قَالَ: أَجَلْ، وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا)) [بخاری، رقم:۲۰۱۸]

مجھے تورات میں مذکور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کی خبر دیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف تورات میں بیان ہوئے ہیں ان میں بعض صفات کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ جیسا کہ یہ قرآنی اوصاف:

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور اور ڈرانے والا بھیجا ہے۔

نیز تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید اوصاف بھی بیان ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم:

((وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ)) ان پڑھوں کی پناہ گاہ ہیں،

((أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي)) آپ میرے بندے اور رسول ہیں،

((سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ)) میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے،

((لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ)) آپ ترش رو اور سخت دل نہیں ہیں،

((وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ)) اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں،

((وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ)) برائی کا جواب برائی سے دینے والے نہیں ہیں،

((وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ)) بلکہ معاف کرنے اور بخش دینے والے ہیں،

((وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ)) اور اللہ اس وقت تک آپ کی روح قبض نہیں کرے گا،

((حَتَّى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ))

جب تک آپ اپنے ہاتھوں ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کرلیں،

((بِأَنْ يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ)) اور وہ لا الہ الا اللہ نہ پکارنے لگیں،

((وَيَفْتَحُ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا، وَآذَانًا صُمًّا، وَقُلُوبًا غُلْفًا))

[بخاری برقم:۲۰۱۸]

اور جب تک آپ کے کلمے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غافل دلوں کو کھول نہیں دے گا۔

④..... هُوَ المَقَامُ المَحمُودُ وَ الشَّفَاعَةُ الكبرىٰ:

کوثر سے مراد ''مقام محمود و مقام شفاعتِ کبریٰ'' ہے۔

یہ وہ مخصوص مقام ہے جو سوائے نبی اکرم ﷺ کے اور کسی بھی نبی و رسول کو عطا نہیں کیا جائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [الاسراء:۷۹]

یہ بات یقینی ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود عطا کر دے گا۔

اس مقام پر جلوہ افروز ہونے کے بعد تمام اولین و آخرین آپ ﷺ کی مدح وثناء میں رطب اللسان ہوں گے اور انہی کی طرف اپنی نجات وخلاصی کے لئے نظریں لگائیں ہوئے ہوں گے جب تک صاحبِ مقام محمود ﷺ شفاعتِ عظمیٰ کے لئے لب کشائی نہیں فرمائیں گے نہ حساب کتاب کا آغاز ہوگا نہ اہل جنت، جنت میں جاسکیں گے اور نہ اہل جہنم، جہنم میں۔ وہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا جبکہ سورج انتہائی قریب ہوگا۔ تپش وحرارت کی وجہ سے زمین تانبے کی مانند ہو جائے گی ہر ایک اپنے پسینہ میں غرق ہوگا، اور پسینہ اتنا زیادہ گرم ہوگا کہ جیسے پانی میں کوئی چیز اُبل رہی ہوتی ہے۔ اب آپ اندازہ لگایئے کہ اتنی گرمی میں بندے کا تھوڑی دیر کھڑا ہونا مشکل ہوگا، کوئی راہِ نجات اور ذریعہ خلاصی نظر نہیں آئے گا۔ ہر بندہ چاہے کہ ہمیں عرش کا سایہ مل جائے۔

ہمارا حساب شروع ہو ہم اس مصیبت سے نجات پائیں۔ تو انبیائے کرام حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ آپ انبیاء کے جد امجد ہیں آپ اللہ سے سفارش کریں، وہ کہیں گے کہ نہیں، میں نہیں کرسکتا، میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ بھی کہہ دیں گے کہ نہیں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں میں اللہ کے سامنے بات نہیں کرتا۔ کیونکہ اللہ بڑے جلال میں ہوں گے۔

پھر سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، کرتے کرتے حضرت موسیٰ علیہ السلام عیسی علیہ السلام سب انکار کردیں گے، پھر سب انبیاء علیہم السلام مشورہ کریں گے کہ ہمیں چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں وہ اللہ کے محبوب ہیں وہ ہماری سفارش کریں تو جب سب انبیاء آخر سفارش کریں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ میں اس وقت اللہ کے سامنے سجدہ کروں گا اور میں اپنی امت کے بارے میں رونے لگ جاؤں گا، جب میں روؤں گا تو اللہ فرمائیں گے: اے میرے محبوب!

((اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَ)) [مسند احمد، رقم: ۱۲۸۲۴]

آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ مانگیں جو مانگیں گے میں آپ کو عطا کردوں گا۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر قیامت کے دن ہم جیسے گناہ گاروں کی بخشش ہوگی۔

شاعر نے کہا:

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا آخری لے کر پیام آئے
جھکانے آئے بندوں کی جبیں اللہ کے در پر
سکھانے آدمی کو آدمی کا احترام آئے
وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی

وہ آئے جب تو انساں کو فرشتوں کے سلام آئے
وہ ہیں بے شک بشر لیکن تشہد میں اذانوں میں
جہاں دیکھو خدا کے نام کے بعد ان کا نام آئے
بروز حشر میں جب نفسا نفسی کا سماں ہو گا
وہاں وہ کام آئیں گے جہاں کوئی نہ کام آئے

تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قیامت کے دن ہم جیسے بہت سے گناہ گاروں کی بخشش ہوجائے گی۔ متعدد احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شفاعت کا تذکرہ فرمایا: اس کے بارے میں شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر شفقت فرماتے ہوئے اپنی شفاعت کے بارے میں اس لئے خبر دی تاکہ ہم قیامت کے دن کی مشقتوں اور تھکاوٹوں سے راحت پائیں۔

5 ......اولاد:

کوثر سے مراد ''اولاد کی کثرت'' ہے۔ اس لئے کہ یہ سورت انہیں لوگوں کی تردید میں اتری ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر (مقطوع النسل) کہا تھا۔

اولاد دو قسم کی ہوتی ہے: نسبی اور روحانی، آپ کی نسبی اولاد بھی بکثرت ہے۔ جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے چلی ہے۔ اور چودہ سو سال گزرنے کے باوجود بھی سادات دنیا میں موجود ہیں۔ جس ملک میں بھی چلے جاؤ جس شہر میں چلے جاؤ آپ کو سید گھرانہ ملے گا۔ دیکھو اللہ نے آپ کو کیا بخت دیے کہ آپ کی اولاد چودہ سو سال تک آگے چل رہی ہے۔

ایک ہوتی ہے روحانی اولاد، اور اگر اس سے روحانی اولاد مراد لی جائے تو روحانی اولاد تو ساری امت ہے جو تمام امتوں سے زائد ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:

((كُلُّ تَقِيٍّ نَقِيٍّ آلِيْ)) [روح البیان]

ہر متقی پرہیزگار میری آل میں سے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

((إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ)) میں تمہارے لیے باپ کی مانند ہوں۔

⑪ ......هُوَ خَيْرُ الْأُمَمِ:

کوثر سے مراد ''بہترین امت'' ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کفار کا یہ خیال تھا کہ حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد سارا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ: میں نے آپ کو بہترین امت فرمایا ہے جو آپ کے سلسلہ کو منقطع نہیں ہونے دیں گے۔

اسی امت کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران:۱۱۰]

(اے مسلمانو) تم ہی بہترین امت ہو جنہیں لوگوں (کی ہدایت اور اصلاح) کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرۃ:۱۴۳]

اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا ہے تا کہ تم (قیامت کے دن) باقی لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔

حدیث شریف میں آیا کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کے قوم سے کہا جائے گا کہ تمہارے پاس میں نے اپنا نبی بھیجا تھا، قوم کہے گی:

"مَا اَتَانَا مِنْ نَذِيْرٍ"
ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔
حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں نے اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کو فرمائیں گے: کون آپ کے حق میں گواہی دے گا تو وہ فرمائیں گے:

"مُحَمَّدٌ وَاُمَّتُهٗ"
پھر یہ امت حضرت نوح علیہ السلام کے حق میں گواہی دے گی۔
معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:
((وَجَعَلْتُ قُلُوبَ أُمَّتِكَ أَنَاجِيلَ)) [معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم]
یعنی میں نے آپ کو ایسی امت عطا کی ہے جن کے قلوب ان کی انجیل ہیں یعنی اسمانی کتاب کو اپنے سینوں میں محفوظ کریں گے تو ان کے دل آسمانی کتابوں کے مانند ہو جائیں گے۔
آج بھی جو بندہ قرآن کا حافظ ہے اس کی مثال انجیل کی مانند ہے، قرآن کی مانند ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی بُرہان!
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قُرآن!

تو قرآن کا حافظ حقیقت میں قرآن مجید ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔

● ...... اخلاق عظیمہ:
کوثر سے مراد "اخلاق عظیمہ" ہیں۔

حضور ﷺ کو اللہ نے جو خیریں عطا فرمائیں تھی ان میں سے ایک آپ کے اخلاق عظیمہ بھی تھے خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ [القلم:۴]

بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں۔

حضور ﷺ نے اخلاق عظیمہ کی تعلیم کو اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا تھا، فرمایا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ))

مجھے تو اخلاق عظیمہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم:۲۰۸۱۸]

اس ہستی کی اخلاقی مرتبے کا کیا عالم ہوگا جس کی تربیت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي)) [جامع الاحادیث، رقم:۹۵۹]

میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور بہت اچھا ادب سکھایا۔

آپ سوچئے! کہ جس کا مربی خود اللہ ہو اس کی تربیت کتنی اعلیٰ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات میں تمام انبیاء کی صفات کو جمع فرما دیا تھا۔

چنانچہ آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ میں...

آدم علیہ السلام کی انابت	نوح علیہ السلام کی استقامت
ادریس علیہ السلام کی ہدایت	شیث علیہ السلام کی کرامت
ابراہیم علیہ السلام کی خُلت	اسماعیل علیہ السلام کی اطاعت
یعقوب علیہ السلام کا حزن	اسحاق علیہ السلام کی بشاشت
موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت	ہارون علیہ السلام کی سادگی
زکریا علیہ السلام کا یقین	یحییٰ علیہ السلام کی حکمت

یوسف علیہ السلام کا حسن　　　یونس علیہ السلام کا غم
ایوب علیہ السلام کا صبر　　　داؤد علیہ السلام کی قوت
سلیمان علیہ السلام کا تدبر　　　لوط علیہ السلام کی شرافت

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور دیگر انبیاء کے اخلاق، کمالات بدرجہ اتم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود تھے۔

چنانچہ ہمارے سلسلہ کے بزرگ مولانا جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے شعر کہا:

؎ حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

8 ......معجزات:

کوثر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''غیر محدود معجزات'' مراد ہیں:
چنانچہ اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ معجزات عطا فرمائے تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَذَكَرَ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ فِي مُقَدِّمَةِ شَرْحِ مُسْلِمٍ اَنَّ مَعْجِزَاتِ النَّبِيِّ تَزِيْدُ عَلَى اَلْفٍ وَ مِائَتَيْنِ''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد بارہ سو سے زیادہ ہے۔

''وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ بَلَغَتْ اَلْفًا''

امام بیہقی نے ''المدخل'' میں فرمایا ہے کہ آپ کے معجزات ایک ہزار تک ہیں۔

''وَقَالَ الزَّاهِدِيُّ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ ظَهَرَ عَلَى يَدَيْهِ أَلْفُ مُعْجِزَةٍ وَقِيلَ ثَلَاثَةُ آلَافٍ''

احناف میں سے امام زاہدی کا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ کے معجزات ایک ہزار ہی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے معجزات تین ہزار ہیں۔

اگر حضور ﷺ کے معجزات کو اثرات کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو آپ ﷺ کے معجزات کی مندرجہ ذیل دس اقسام بنتی ہیں:

1 افلاکی معجزات:

یعنی ایسے معجزات جن کے اثرات افلاک پر ظاہر ہوئے۔جیسے معجزہ شق قمر۔

2 جماداتی معجزات:

پہاڑوں، پتھروں اور زمین پر اثر انداز ہونے والے معجزات مثلاً پتھر کا سلام کہنا۔

چنانچہ صحابی رسول ﷺ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ))

[مسند احمد، رقم: ۲۰۸۲۷]

میں مکہ مکرمہ میں ایسے پتھر کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے بھی مجھے سلام کہا کرتا تھا۔ میں اس پتھر کو اب بھی جانتا ہوں۔

دامادِ رسول ﷺ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا کہ ہم دونوں مکہ مکرمہ کے نواح میں چلے گئے۔ تو میں نے دیکھا کہ

((فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ))

[سنن الترمذی، رقم: ۳۶۲۶]

جو پہاڑ اور درخت سامنے آتا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ادب سے سلام پیش کرتا۔

3 نباتاتی معجزات:

درختوں وغیرہ پر اثر انداز ہونے والے معجزات۔ جیسے کھجور کے تنے کا رونا۔

ایک دیہاتی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا چیز آپ کی نبوت کی گواہی دے گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامنے درخت کے بارے میں فرمایا کہ: یہ درخت میری نبوت کے بارے میں گواہی دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کو اشارہ کیا درخت چل کے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دی۔

4 حیواناتی معجزات:

جانوروں پر اثر انداز ہونے والے معجزات۔ جیسے کمزور گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا۔

ایک اونٹ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر اپنے مالک کی شکایت کی۔ کمزور گھوڑا تھا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملا تو اس نے تیز دوڑنا شروع کر دیا۔

ایک مرتبہ ایک بدو گوہ لے کر جا رہا تھا گوہ ہمارے علاقے میں ایک جاندار ہے جو بڑی مضبوطی کے ساتھ دیوار کو پکڑ لیتی ہے چھوڑتی نہیں ہے۔ تو پہلے وقتوں کے چور ڈاکو اس کو استعمال کرتے تھے۔ اس کو دیوار کے ساتھ چپکا دیتے تھے اور پھر اس رسے کے ساتھ دیوار پھلانگ جایا کرتے تھے۔ گوہ کھانا ہے تو حرام لیکن عرب کے لوگ اس وقت کھایا کرتے تھے۔ تو وہ دیہاتی ایک مری ہوئی گوہ لے کر جا رہا تھا راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ: تم کون ہو؟ اس نے اپنا نام بتایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دین کی دعوت دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ اس نے کہا: کہ میں تو آپ کو تب اللہ کا رسول مانوں گا جب میری یہ گوہ

گواہی دے گی۔اب مری ہوئی گوہ بول بھی نہیں سکتی۔اس کا خیال تھا کہ یہ بالکل ناممکن ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ جب اس نے کہا: تو نبی ﷺ نے گوہ کو مخاطب ہو کر کہا کہ اٹھ میری بات سن، تو مری ہوئی گوہ نے آنکھیں کھول دیں۔ نبی ﷺ نے گوہ سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا: کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور آپ ﷺ وہ ذات ہیں جن کی شفاعت سے قیامت کے دن لوگوں کی بخشش ہوگی۔

اللہ کے حبیب ﷺ کی گواہی جانوروں نے بھی دی، درختوں نے بھی دی، پتھروں نے بھی دی۔

5 شفاء کے معجزات:

آپ ﷺ کے دستِ مبارک کی برکت سے شفا یابی کے معجزات۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں خراب تھیں، نبی ﷺ نے اپنا لعاب مبارک لگایا، اللہ نے ان کی آنکھوں کو شفا عطا فرمائی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر سانپ نے کاٹا، نبی ﷺ نے لعاب مبارک لگایا اور اللہ نے ان کو سانپ کے زہر سے شفا عطا فرما دی۔

6 دعائیہ معجزات:

آپ ﷺ کی دعا کی بدولت رونما ہونے والے معجزات۔ ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔

7 نَبعُ المَاء:

آپ ﷺ کی انگلیوں یا لعابِ دہن کی برکت سے پانی جاری ہونے کے معجزات۔ ایک مرتبہ پورا لشکر تھا اور انہوں نے وضو کرنا تھا اور پانی پینا تھا اور ایک

چھوٹے سے برتن میں پانی تھا۔ تو نبی ﷺ نے اس میں اپنے مبارک ہاتھ کو ڈال دیا۔ صحابی کہتے ہیں کہ ہم حیران تھے کہ محبوب ﷺ کی انگلیوں سے پانی نکل رہا تھا جیسے چشمے سے نکلتا ہے۔ اتنا پانی نکلا کہ پورے لشکر نے اس کو پیا۔

اس لیے کہتے ہیں کہ کائنات میں سب سے زیادہ افضل وہ پانی ہے جو محبوب ﷺ کی مبارک انگلیوں سے نکلا تھا۔ دوسرے درجے پر حوضِ کوثر کا نام آتا ہے۔ پھر تیسرے درجے پر زم زم کا نام آتا ہے۔

8 تکثیرِ طعام کے معجزات:

آپ ﷺ کے وجودِ اطہر کی برکت سے اشیاء خوردنی میں اضافہ کے معجزات۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک بکری اور ایک صاع جو ایک ہزار بندوں کے لئے کافی ہوئے۔

9 اخبارِ غیب کے معجزات:

پرانے زمانے کے واقعات و حالات بیان کرنے کے معجزات۔

10 پیشن گوئی کے معجزات:

آئندہ ہونے والے واقعات و حادثات کی اطلاع کے معجزات۔ میرے محبوب ﷺ کی صداقت کی یہ بھی دلیل ہے کہ جو آپ ﷺ نے فرمایا جیسے فرمایا چودہ سو سال کے بعد وہ بات من و عن اسی طرح پوری ہو رہی ہے۔

9 ...... العلمُ الواسعُ:

کوثر کا ایک معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو علم کثیر عطا فرمایا۔ علم و حکمت اپنی کیت کے

لحاظ قلیل بھی ہو تو پھر بھی خیر کثیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ [البقرۃ:۲۶۹]

جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر دیا گیا۔

حضور ﷺ کی تو بعثت کا مقصد ہی علم وحکمت کی تعلیم تھی ظاہری بات ہے کہ آپ ﷺ کو اس میں وافر حصہ دیا گیا ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ [النساء:۱۱۳]

ارشاد نبوی ہے:

((أُوتِيتُ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ)) مجھے اولین وآخرین کا علم دیا گیا ہے۔

⑩ ...... أَنَّهُ الْإِسْلَامُ:

کوثر سے مراد "دین اسلام" ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ دین ہے جو سب ادیان سے کامل واکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ آیت کریمہ نازل فرما کر تکمیل دین کی بشارت دی اور فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدۃ:۳]

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرمایا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرمایا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران:۱۹]

بے شک (مقبول) دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ﴾ [المائدۃ:۳]

آج کے دن کافر آپ کے دین سے مایوس ہو گئے۔ آج کے دن ان کو پتہ چل گیا کہ مسلمان لوہے کے چنے ہیں ان کو چبانا آسان کام نہیں ہے۔ یہ مایوس ہو گئے ہیں۔

اور پھر اللہ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝﴾ [التوبۃ:۳۳]

اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے دین کو دنیا میں پھیلانا تھا اگرچہ مشرکین کو یہ بات اچھی نہ لگے۔

⑪ ......اَنَّهُ الْقُرْاٰنُ:

کوثر سے مراد ''قرآن پاک'' ہے۔ تو معنی یہ ہوگا: ''اے محبوب ﷺ! ہم نے آپ کو قرآن پاک عطا فرمایا''۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسی کتاب آپ ﷺ کو دی گئی ہے کسی اور نبی کو نہیں دی گئی ہے۔

قرآن پاک اپنے فضائل و کمالات کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ اپنے فوائد وثمرات، فیوض و برکات اور اسرار و رموز کے اعتبار سے لاثانی ہے۔ لہٰذا فرمایا: اے میرے محبوب! تیری کتاب ہی کوثر ہے۔

یہ وہ کتاب ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت میں بے مثل اور بے مثال ہے عرب کے تمام فصحاء مل کر اس قرآن کی ایک آیت کی طرح کوئی آیت نہیں بنا سکے۔

((فِيهِ نَبَأُ مَا كَانَ قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ وَهُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللَّهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللَّهُ وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ هُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَلَى كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ هُوَ الَّذِي لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ إِذْ سَمِعَتْهُ حَتَّى قَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هَدَى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ خُذْهَا إِلَيْكَ يَا أَعْوَرُ)) [جامع ترمذی، رقم:۲۹۰۶]

اس میں تم سے پہلے کے لوگوں اور قوموں کی خبریں ہیں اور بعد کے لوگوں کی بھی خبریں ہیں، اور تمہارے درمیان کے امور و معاملات کا فیصلہ بھی اس میں موجود ہے، اور وہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا ہے، ہنسی مذاق کی چیز نہیں ہے۔ جس نے اسے سرکشی سے چھوڑ دیا اللہ اسے توڑ دے گا اور جو اسے چھوڑ کر کہیں اور ہدایت تلاش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ وہ (قرآن) اللہ کی مضبوط رسی ہے یہ وہ حکمت بھرا ذکر ہے، وہ سیدھا راستہ ہے، وہ ہے جس کی وجہ سے خواہشیں ادھر ادھر نہیں بھٹک پاتی ہیں، جس کی وجہ سے زبانیں نہیں لڑکھڑاتیں، اور علماء کو (خواہ کتنا ہی اسے پڑھیں) آسودگی نہیں ہوتی، اس کے بار بار پڑھنے اور تکرار سے بھی وہ پرانا (اور بے مزہ) نہیں ہوتا۔ اور اس کی انوکھی (وقیمتی) باتیں ختم نہیں ہوتیں، اور وہ قرآن وہ ہے جسے سن کر جن خاموش نہ رہ سکے بلکہ پکار اٹھے: ہم نے ایک عجیب (انوکھا) قرآن سنا ہے جو بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے، تو ہم اس پر ایمان لے آئے، جو اس کے مطابق بولے گا اس کے مطابق عمل

کرے گا اسے اجر و ثواب دیا جائے گا۔ اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے اس نے سیدھے راستے کی ہدایت دی۔ اعور! ان اچھی باتوں کا خیال رکھو۔

12 ...... اولیاء کرام و علماء عظام:

کوثر سے مراد "آپ ﷺ کی امت کے اولیاء کرام اور علماء عظام ہیں"۔
یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے دشمن کی امیدوں میں پانی پھیر دیا جو یہ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا کام رُک جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ میں نے اپنے محبوب ﷺ کو ایسے جانشین دیے ہیں جو میرے محبوب ﷺ کے سلسلہ کو رکنے نہیں دین گے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود حضرات علماء کرام نے نبوت کے اس کام کو اسی طرح جاری و ساری رکھا ہوا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا میدان ہو یا تزکیہ و اصلاح کا، تعلیم و تعلم کا کام ہو یا جہاد اور دفاعِ دین کا۔ ہر میدان میں علماء اور اولیاء نے سلسلہ نبوت کو جاری رکھنے کا حق ادا کیا ہے۔
جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ذات کو اللہ تعالیٰ نے بلند و بالا بنایا ہے ایسے ہی آپ کے جانشین اور وارثان کو بھی بے مثل اور بے مثال بنایا ہوا ہے۔
اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جیسے جانشین اور علماء عطا فرمائے تھے کسی اور نبی کو ایسے علماء نہیں دیے گئے۔

11 ...... اَنَّ الْكَوْثَرَ النُّبُوَّةُ

کوثر کا مصداق "نبوت عظمیٰ ہے جو اعلیٰ درجہ کی خیر کثیر ہے"۔ یہ آپ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پوری انسانیت کے لئے ہے جب کہ سابقہ کسی خاص علاقہ یا خاص قبیلہ کے لئے ہوتے تھے آپ کی نبوت قیامت کی صبح تک ہے جب کہ سابقہ کی نبوتِ خاص زمانے کے لئے ہوتی تھی۔آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔سارے انبیاء کرام سے اس بات کا عہد لیا گیا تھا کہ اگر تمہاری موجودگی میں یہ نبی تشریف لائے تو تم نے ان پر ایمان لانا ہے اور ان کی مدد کرنا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾

[آلِ عمران:۸۱]

”اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا، فرمایا: تو اب گواہ ہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔“

۱۴ ......مقام قرب:

کوثر سے مراد ”وہ اعلیٰ مقام قرب ہے جس سے اوپر کوئی مقام کسی بندہ کے لئے ممکن ہی نہیں“۔

۱۵ ......فضائل روحانیہ:

کوثر سے مراد ”وہ فضائل روحانیہ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو من جانب اللہ حاصل ہوئے“۔

16 ......قلب کا نور:

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب منور کا نور کوثر ہے"۔
جس قلب کا نور پوری امت میں تقسیم ہو رہا ہے آپ اندازہ لگایئے کہ اس قلب میں کتنا نور رہو گا، وہ قلب کتنا منور ہو گا۔

17 ......سورت مبارکہ

کوثر سے مراد "خود یہی سورت مبارکہ" ہے جو الفاظ میں سب سے کم، صرف تین آیات پر مشتمل ہے، مگر بے شمار مضامین و مطالب کو حاوی ہے جس کا مقابلہ عرب کے کسی بلیغ و شاعر سے نہ ہو سکا۔

جب یہ سورت اتری تو مکہ کے ایک کافر نے سوچا کہ بڑے اچھے اشعار ہیں اور ایک شعر کی کمی ہے اگر چوتھا شعر فٹ ہو جائے نا تو ہم کہیں گے دیکھو کہ ہم تمہارے مقابلے کا قرآن بنا لیا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کا ایک شاعر تھا جو غاروں میں رہتا تھا اور تنہائی میں وقت گزارتا تھا۔ الگ زندگی گزارتا تھا۔ یعنی غالب اور تقی میر جیسا کوئی شاعر تھا۔ وہ اس کے پاس گیا اور اس کو جا کر کہا کہ یہ تین فقرے تو میں نے بنا دیئے چوتھا فقرہ میں نے نہیں بنایا وہ تو بنا دے۔ اس نے وعدہ کر لیا اب وہ کئی دن سوچتا رہا کہ چوتھا فقرہ کون سا بناؤں جو فٹ ہو جائے۔ ایک ہفتے کا اس نے وعدہ کیا تھا اور وہ کافر بڑا خوش تھا کہ میں ایک ہفتے کے بعد آؤں گا اور مسلمانوں کے پیغمبر کو بتاؤں گا کہ دیکھو تمہارے کلام کے ساتھ جیسا میں نے بھی کلام بنا لیا ہے۔ چنانچہ ایک ہفتے کے بعد وہ اس سے جواب لے کر آیا تو فقرہ کیا فٹ ہوا تھا:

"مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ" یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔

⑱ ......أَنَّهُ الْخَيْرُ الْكَثِيْرُ: قاله ابن عباس رضی اللہ عنہ:

یہ تفسیر سابقہ تمام تفاسیر پر مشتمل ہے۔ چنانچہ صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''وَالْأَظْهَرُ اَنَّ جَمِيْعَ نِعَمِ اللهِ دَاخِلَةٌ فِي الْكَوْثَرِ ظَاهِرَةً اَوْ بَاطِنَةً فَمِنَ الظَّاهِرَةِ خَيْرَاتُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْبَاطِنَةِ الْعُلُوْمُ الدُّنْيَةُ الْحَاصِلَةُ بِالْفَيْضِ الْإِلٰهِيِّ''

زیادہ راجح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نعمتیں ظاہرہ ہو یا باطنہ کوثر میں داخل ہے، نعم ظاہرہ میں دنیا وآخرت کے انعامات داخل ہیں اور نعم باطنہ میں وہ علوم ومعارف لدنیہ داخل ہیں جو محض فیض خداوندی سے حاصل ہوئے اور ظاہری وباطنی قوتوں اور حواس کو ان کے حاصل کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد سعید بن جبیر سے کسی نے کہا کہ بعض کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے تو فرمایا کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس کے منافی نہیں ہے، بلکہ وہ نہر جنت جن کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے۔

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾:

پس آپ اپنے رب کی رضا کے لئے نماز پڑھیے۔

صلوٰۃ کا مصداق:

① اَلصَّلَاةُ الْمَكْتُوْبَةُ:

یعنی ساری فرض نمازیں مراد ہیں۔

② صَلَاةُ الصُّبْحِ بِمُزْدَلِفَةَ:

مزدلفہ میں ادا ہونی والی فجر کی نماز ہے۔

③ صَلَاۃُ الْعِیْدِ:

عیدالاضحیٰ کی نماز مراد ہے۔

یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نعمتوں کے بعد شکر کرنا لازم ہوتا ہے لہٰذا یہ انعامات کثیرہ عطا فرمانے کے بعد زیادہ مناسب یہ تھا کہ اللہ اپنے محبوب ﷺ سے شکرِ نعمت طلب فرماتا اور انہیں شکر کرنے کی تعلیم دیتا۔ مقام شکر میں نماز کو کیوں ذکر فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ شکر کی ادائیگی کا ایک طریقہ کثرتِ عبادت بھی ہے ارشاد خداوندی ہے:

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾﴾ [الزمر:٦٦]

بلکہ اللہ کی عبادت کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

اسی طرح جب زیادہ عبادت کی وجہ سے حضور ﷺ کی پاؤں مبارک متورم ہو جاتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے تھے کہ آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے:

((أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا)) [بخاری، رقم:١٠٧٨]

میں اللہ کا شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں؟

معلوم ہوتا ہے کہ کثرتِ عبادت شکر کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔

آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز رسول اکرم ﷺ پر لازم ہے اور کسی حالت میں آپ کے لئے اس کا ترک کرنا درست نہیں تو دوسروں کے لئے اس کا ترک کرنا بطریق اَولیٰ حلال نہیں ہوگا۔ لہٰذا وہ لوگ جو نیک لوگوں کے روپ پر ظاہر ہو کر نماز کو ترک کرتے ہیں ایسے لوگ قطعاً دینِ مصطفیٰ ﷺ پر نہیں ہیں۔ یہ کہنا کہ ہم اللہ تعالیٰ

تک پہنچے ہوئے ہیں ہمیں نماز کی کیا ضرورت ہے لغو و باطل ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے زیادہ اونچے مرتبہ والا کوئی نہیں اور نہ ہی ان سے زیادہ کوئی اللہ تعالیٰ تک واصل ہے لیکن پھر بھی نماز کو ترک نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں:

((وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ)) [سنن ابی داود، رقم:۴۹۸۶]

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

﴿وَانْحَرْ﴾: اور قربانی کرو۔

"نَحْرٌ" سے مشتق ہے اونٹ کی قربانی کو "نَحْرٌ" کہا جاتا ہے اہل عرب کے نزدیک اونٹ بڑا قیمتی مال سمجھا جاتا تھا اس لیے آیت میں اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے ورنہ گائے اور بکری کی قربانی بھی جائز ہے جو احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

"نحر" کا مصداق:

جمہور کے نزدیک یہاں "نَحْرٌ" سے مراد "قربانی کرنا" ہے۔

دراصل مشرکین مکہ نے عبادت خداوندی کا حلیہ بگاڑ دیا تھا بتوں کے سامنے سجدے کرتے۔ ان کی نماز تالیاں اور سیٹیاں بجانے پر مشتمل تھی۔ اور ان کے قربانی بتوں کے نام پر ہوتی تھی اس کے مقابلے میں آپ ﷺ کو فصل لربک وانحر کا حکم دیا گیا تا کہ نماز اور قربانی کی اصلاح ہو سکے۔

آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی بندے کو اللہ کی طرف سے خیر (بھلائی) مل جائے تو نماز کے ذریعے بدنی شکر ادا کرے اور قربانی کے ذریعے مالی شکر ادا کرے۔

فلاح کے دو اصول:

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ جو درحقیقت فلاح کے دو

بڑے اصول ہیں: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (نماز پڑھو اور قربانی کرو)۔ یہ دو عظیم اصول بیان فرمائے۔

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ یقیناً آپ کے دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

''شَانِئ'' بغض وعداوت رکھنے والے دشمن کو کہتے ہیں۔

﴿أَبْتَرُ﴾:

''بتر'' سے ہے یعنی کسی چیز کو کاٹ دینا۔ اہل عرب دُم کٹے ہوئے جانور کو ''بتر'' کہتے ہیں۔ عرف عام میں اس سے ایسا شخص مراد لیا جاتا ہے جس کی نرینہ اولاد نہ ہو اور جس کی نسل آگے چلنے کا کوئی امکان نہ ہو۔

کفار نے جب حضور ﷺ کے دو صاحبزادگان کی وفات کی وجہ سے طعنہ زنی کی کہ (نعوذ باللہ) حضور ﷺ ابتر یعنی بے نسل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ان کا رد کیا۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَهٰكَذَا سُنَّةُ الْأَحْبَابِ، فَإِنَّ الْحَبِيبَ إِذَا سَمِعَ مَنْ يَشْتُمُ حَبِيبَهُ تَوَلَّى بِنَفْسِهِ جَوَابَهُ، فَهٰهُنَا تَوَلَّى الْحَقُّ سُبْحَانَهُ جَوَابَهُمْ''

اور ایسا ہی دوستوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ جب اس کے دوست کو برا بھلا کہا جاتا ہے تو وہ خود جواب دیتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی جانب سے خود جواب دے دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا:

﴿إِنَّا لَنَرٰىكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝﴾ [الاعراف:٦٠]

''یقیناً آپ ہمارے نزدیک کھلی گمراہی میں ہیں۔

تو انہوں نے خود جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ﴾ اے میری قوم میں گمراہ نہیں ہوں۔[الاعراف:٦١]

حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا:

﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ﴾[الاعراف:٦٦]

تحقیق ہم آپ کو سفاہت اور کم عقلی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں۔

تو انہوں نے بھی خود اس گستاخی کا جواب دیا:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ﴾[الاعراف:٦٧]

اے میری قوم میں کم عقل نہیں ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون ملعون نے کہا:

﴿اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰي مَسْحُوْرًا﴾[الاسراء:١٠١]

اے موسیٰ! میں تجھے سحر زدہ سمجھتا ہوں۔

تو خود موسیٰ علیہ السلام نے اس مردود کے اس طعن کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا﴾[الاسراء:١٠٢]

''اے فرعون میں تجھے ھلاکت میں مبتلا دیکھتا ہوں''

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کفار نے کہا:

﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ [الحجر:٦]

''اے وہ شخص جس پر (ان کے گمان کے مطابق ہماری موجودگی میں) کتاب نازل ہوئی (اور ہم پر نازل نہ ہوئی) تو یقینا مجنون ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کا خود جواب دیا:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢﴾ [القلم:١،٢]

مجھے قسم ہے قلم کی اور قسم ہے اس کی جو فرشتے تحریر کرتے ہیں آپ اپنے رب کی نعمت کی بدولت مجنون نہیں ہیں۔

آپ ﷺ کے عیب جوئی کرنے والوں میں ولید بن مغیرہ پیش پیش تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دس عیوب کو بیان کر کے اپنے محبوب ﷺ کے دفاع کا حق ادا کر دیا اور فرمایا:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝١٠ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝١٣﴾ [القلم:١٠ تا ١٣]

''اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے، بے قدر کا۔ طعنے دے، چغلی کھاتا پھرے، بھلے کام سے روکے، حد سے بڑھے، بڑا گنہگار۔ اُجڈ ان سب کے پیچھے بدنام۔''

نکتہ:

شاہ عبدالعزیز ؒ نے ''تفسیرِ عزیزی'' میں فرمایا ہے کہ جس نے ایک کلمہ گستاخی و بے ادبی کا رسول کریم ﷺ کے بارے میں استعمال کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دس عیب بیان فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے گستاخی کی جزاء دس گنا ہے تو جو شخص ان کی مدح وثنا کرے گا۔ یقیناً اسے بھی دس گنا ثواب ملے گا۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا)) [مسلم، رقم:٤٠٨]

جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

سورۃ الکوثر کے فوائد

❶ ''اِنَّآ اَعْطَيْنَا'' کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کے پاس جو بھی صفات وکمالات ہوتے ہیں اس کے ذاتی نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ملکہ بلقیس کا تخت اپنے سامنے دیکھا تو فوراً فرمایا:

﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ﴾

❷ پہلے انعامات وعطیات کو ذکر فرما کر پھر نماز کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ انعامات خداوندی سے بندے میں اکڑ اور تکبر نہیں آنا چاہیے بلکہ اللہ کے سامنے سر جھکا کے عاجزی کرنا چاہیے۔

❸ عطیہ اگر چہ بہت قیمتی ہو لیکن جب تک اس میں ہیشگی نہ ہو نعمت کاملہ نہیں بنتا ہر وقت سلب ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے اگر اس ہدیہ وعطیہ کے مقابل کوئی عوض ہو تو واپس نہیں لیا جاسکتا ہے اگر چہ وہ عوض بالکل معمولی ہی کیوں نہ ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا وآخرت کے غیر محدود عطیات سے سرفراز فرمایا اور ساتھ ہی ایک تھوڑا سا عوض اور بدلہ طلب فرمایا: کہ اپنے رب کے لئے نماز ادا کریں اور اور قربانی پیش کریں۔

❹ ''وَانْحَرْ'' ''لِرَبِّكَ'' کے ساتھ ہی متصلا لایا گیا ہے۔ اس لئے مطلق ذبح کرنا مراد نہیں ہے، بلکہ قربانی وہی ہے جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو۔

سورۃ الکوثر کے خواص

❶ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جمعہ کی رات کو سونے سے

پہلے باوضو ہو کر سورۃ الکوثر کو سو دفعہ پڑھے اور سو مرتبہ درود شریف بھی پڑھے اور باوضو ہی سو جائے تو آپ ﷺ کی زیارت ہو جائے گی۔

2. جو آدمی ''سورۃ الکوثر'' کو لکھ کر اپنے گلے میں باندھے تو وہ امن میں رہے گا۔

3. تنہائی میں تین سو بار پڑھنے سے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

4. اگر کوئی شخص اولاد سے محروم ہے تو روزانہ 101 دفعہ سورۃ الکوثر بسم اللہ کے ساتھ پڑھے۔ان شاء اللہ! اس کی مراد پوری ہوگی۔

4. جس شخص کی اولاد زندہ نہ رہتی ہو، وہ اگر اس سورۃ کو 700 دفعہ صبح کی نماز کے بعد 41 روز تک پڑھے گا، ان شاء اللہ! اس کی اولاد زندہ رہے گی۔

6. اگر کوئی خواب دیکھے کہ میں سورۃ کوثر پڑھ رہا ہوں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ مال اور نعمت پائے گا۔

﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

سورۃ الماعون

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝۱ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝۲ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝۳ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝۴ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝۶ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷﴾ [الماعون:۱ تا ۷]

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

سورت الماعون:

عرب کے ماحول اور معاشرے کو سمجھنے کے لیے دو باتیں ذہن میں رکھیے کہ وہاں پر بے آب و گیاہ آبادی تھی، نہ کھیتی تھی، نہ درخت تھے، نہ سبزیاں تھیں کچھ نہیں تھا۔

﴿بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ﴾
چٹیل پہاڑ تھے۔ جو لوگ مکہ مکرمہ جا چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ صرف پتھر تھے۔ تو ان کے پاس تنگدستی تھی۔ اور یہ تنگدستی بڑا عذاب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا)) [مشکاۃ المصابیح، رقم:۵۰۵۱]

قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچا دے۔

جب تنگ دستی ہوتی ہے نا تو پھر جرائم عام ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ عربوں میں بھی یہی تھا۔ لوٹ مار عام تھی قافلوں والے لوگ وہاں سے گذرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اور قریش چونکہ بہادر تھے تو ان سے اور زیادہ ڈرتے تھے۔ آج کے زمانہ کے اعتبار سے یوں سمجھیں کہ یہ کچے کا علاقہ بنا ہوا تھا۔ یہاں ڈاکوؤں کا راج تھا۔ نہ لوگوں کا مال محفوظ تھا، نہ جان محفوظ تھی، نہ عزت آبرو محفوظ تھی۔ جنگل کا قانون تھا۔ کچھ تو تھے جو باہر سے مال لوٹتے تھے اور کچھ تو ایسے تھے جو معاشرے کے اندر مال لوٹتے تھے۔

ان میں ایک خبیث کا نام تھا ابو جہل یہ مکہ کا بڑا سردار تھا۔ اس کا بڑا رکھ رکھاؤ تھا اور شان و شوکت تھی۔ جب کسی بندے کو دیکھتا کہ بیمار ہے اور چل چلاؤ کا وقت ہے تو اس کے پاس جاتا اور اسے کہتا کہ دیکھ تیرے بعد تیرے بچے چھوٹے ہیں، تیرے بھائی قبضہ کرلیں گے، رشتے دار قبضہ کرلیں گے، تیرے بچے محروم ہو جائیں گے۔ تو بہتر ہے کہ اپنی جائیداد کا وارث مجھے بنا دے میں تیرے بچوں کا بہت خیال رکھوں گا۔ لوگ اعتبار کر کے اس کو اناؤنس کر دیتے، جب وہ بندہ فوت ہو جاتا تو یہ یتیموں کے مال پر قبضہ کر لیتا اور انہیں کھانے پینے تک، پہننے تک نہیں دیتا تھا۔ اگر کوئی مطالبہ

کرتا تو یہ اسے مارتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک یتیم بچہ تھا اس نے آ کر کہا: کہ میرے والد کے مال میں سے مجھے کچھ حصہ دے دو۔ اس نے ڈنڈے سے اسے مارا، وہ بے چارہ روتا ہوا باہر نکلا، باقی قریشِ مکہ نے پوچھا کہ بھائی کیا ہوا؟ اس نے کہا دیکھو جی میں اپنا مال مانگ رہا ہوں اور اس نے مجھے مارا ہے اور دھکے دے کر نکال دیا ہے۔ انہوں نے کہا: کہ اچھا تم ایسے کرو کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ تمہارا مسئلہ حل کروا دیں گے۔

اصل میں ان کا مدعا یہ تھا کہ حل تو یہ مسئلہ ہونا نہیں ہم بعد میں مذاق اڑائیں گے کہ جی دیکھو یہ ایک یتیم کی بھی مدد نہ کر سکے۔ پروپیگنڈہ کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ایسے ہوا تو بھی پروپیگنڈہ، ایسے ہوا تو بھی پروپیگنڈہ، وہ یتیم بچہ ناواقف تھا، وہ نبی ﷺ کے پاس آ گیا، وہ چھوٹا بچہ تھا اس نے کہا: اے محمد! میرا حق دلوا دیجئے۔ نبی ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ حاجتمند کو خالی نہیں جانے دیتے تھے۔ تو نبی ﷺ ابوجہل کے پاس آئے اس نے دیکھا تو اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور لبیک کہا: جیسے ہوتا ہے نا کہ اچھا میرے بھتیجے آ گئے؟ یہی کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ بھئی اس کا حق اس کو دیتے کیوں نہیں؟

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مکی سورت ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں: کہ یہ مدنی سورت ہے۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک اس کا پہلا حصہ مکی زندگی میں اور آخری حصہ مدنی زندگی میں نازل ہوا۔ پہلا حصہ عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوا، جبکہ آخری حصہ عبداللہ بن اُبی کے بارے میں۔ جو منافق تھا اور منافقین مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔

یہ سورت ایک رکوع اور سات آیات پر مشتمل ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس

میں چھ آیتیں ہیں انہوں نے ''يُرَاءُوْنَ'' اور ''وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ'' دونوں کو ایک آیت شمار کیا ہے۔

اس سورت کے کل الفاظ 25 اور کل حروف 125 ہیں۔

ترتیب کے لحاظ سے 107 ویں سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے 117 ویں سورت ہے۔ سورۃ التکاثر کے بعد اور سورت الکافرون سے پہلے نازل ہوئی۔

ربط ومناسبت:

1 ......سورۃ قریش میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات یاد دِلا کر اپنی عبادت کی رغبت دلائی تھی۔ اس سورت میں وہ مہلک امراضِ روحانیہ بیان ہوئے ہیں جو عبادت میں رکاوٹ ہیں۔

2 ......پچھلی سورت میں ربُّ البیت کی عبادت کا حکم تھا، اس سورت میں سب سے بڑی عبادت نماز سے غفلت پر وعید کا بیان ہے۔

3 ......سورۃ قریش میں قریش پر انعامات کا ذکر تھا اور ان میں سے اکثر بعث وجزاء کے منکر تھے۔ یہاں بعث وجزاء کے انکار پر تہدید وعید کا ذکر ہے۔

4 ......پچھلی سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کا تذکرہ کیا کہ اس نے قریش کو بھوک میں کھانا کھلایا۔ اس سورت میں کھانا نہ کھلانے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

5 ......پچھلی سورت میں حکم دیا گیا تھا کہ بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو جس سے اخلاص مقصود ہے اور اس سورت میں ریاکاری کی مذمت بیان کی گئی ہے جو کہ اخلاص کی منافی ہے۔

سورۃ مبارکہ کا نام:

مفسرین کرام نے اس سورت مبارکہ کے متعدد نام بیان کئے ہیں:

❶ ......سورۃ الماعون:

کیونکہ اس کے آخر میں ''مَاعُوْن'' کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ لفظ صرف اسی سورت میں ہے، قرآن کریم کی کسی دوسری سورت میں نہیں ہے۔

❷ ......سورۃ الدین:

اس لئے کہ اس میں ''دین'' کا ذکر آیا ہے۔

❸ ...... سورۃ الیتیم:

اس میں ''یتیم'' کا لفظ آیا ہے، اس لیے یہ نام دیا گیا ہے۔

❹ ...... سورۃ التکذیب:

کیونکہ اس میں ''تکذیب'' کا لفظ آیا ہے۔

❺ ......سورۃ ارأیت:

کیونکہ اس کے شروع میں ہی یہ لفظ آیا ہے۔

سبب نزولها:

اس میں کئی اقوال ہیں کہ یہ سورت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

❶ ......ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس مردود کی عادت تھی کہ جب کوئی مالدار بیمار ہوتا تھا تو وہ اس کے پاس آ کر بیٹھتا اور کہتا کہ آپ اپنے یتیموں کو میرے سپرد کردیں۔ اور ان کے حصہ کا مال میرے پاس امانت رکھ دیں میں ان کی ایسی خدمت کروں گا کہ آپ کے ورثاء نہیں کرسکتے۔ اس طرح ان کا مال اپنے قبضہ میں لے لیتا اور

پھر یتیموں کو اپنے دروازے سے دھتکار دیتا۔ وہ در بدر کی ٹھوکریں کھاتے اور گلی کوچوں میں بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن ایک پریشان حال یتیم حضور ﷺ کے پاس آیا اور اس ملعون کی شکایت کی، آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ آخرت کے حساب و عذاب سے ڈرایا، مگر اس ملعون نے ایک نہ سنی، بلکہ قیامت کو جھٹلا دیا اور آپ ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ اس کی بے ہودگی سے رنجیدہ ہو کر اپنے گھر تشریف لائے تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ کہ ابو جہل نے ایک یتیم کی پرورش کی ذمہ داری لی۔ ایک دن وہ یتیم ننگے بدن کے ساتھ اس کے پاس آیا اور اپنے مال میں سے کچھ طلب کیا۔ اُس ملعون نے اسے دھکے دے کر نکال دیا۔ قریش کے سرداروں نے اس سے کہا کہ آپ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، وہ تمہاری سفارش کر دیں گے۔ اس سے ان لوگوں کا مقصد حضور ﷺ کا مذاق اُڑانا تھا لیکن یتیم کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ چنانچہ وہ یتیم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنی فریاد پیش کی۔ چونکہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ کبھی کسی محتاج کو نامراد نہیں لوٹاتے تھے، حضور ﷺ اس یتیم کے ساتھ ابو جہل کے پاس گئے۔

اس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر مرحبا کہا اور فوراً یتیم کا مال اس کے حوالے کر دیا۔ یہ دیکھ کر قبیلہ قریش کے لوگوں نے اسے عار دلائی اور کہا: کہ تُو اپنے دین سے پھر گیا ہے۔ ابو جہل نے کہا: خدا کی قسم! میں اپنے دین سے پھرا نہیں، اصل بات یہ ہے کہ میں نے ان کے دائیں اور بائیں طرف ایک نیزہ دیکھا اور مجھے یہ ڈر لگا کہ اگر میں نے ان کی بات نہ مانی تو حضور ﷺ نیزے سے مجھے پھاڑ ڈالیں گے۔

❷ ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ'' منافقین کے بارے

میں نازل ہوئی۔ جب اہل ایمان ان کے پاس حاضر ہوتے تو وہ اپنی نماز مسلمانوں کو دکھلانے کے لئے پڑھتے تھے اور جب مسلمان چلے جاتے تو وہ اپنی نمازوں کو ترک کردیتے تھے اور عاریت پر چیز دینے سے ان کو روکتے تھے۔

③ ......بعض حضرات کے نزدیک عاص بن وائل جو قیامت کے دن کا انکار کرتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔

بعض حضرات کے ہاں امیہ بن خلف، بعض کے ہاں ولید بن مغیرہ اور بعض کے ہاں عمرو بن عامر مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی۔ دراصل یہ مشرکین عموماً یتیموں، بےکسوں اور کمزوروں پر ظلم کرنے کے عادی تھے۔

واقعہ کسی کا بھی ہو، اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے، مخصوص شان نزول کا نہیں ہوتا۔ مقصد یہ ہے کہ جو بندہ بھی ان مذموم صفات والا ہوگا، وہ اس وعید کا مستحق ہوگا۔

④ ......ایک کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بعد میں مسلمان ہوا۔ وہ ہر ہفتہ ایک اونٹ ذبح کرتا تھا، ایک یتیم نے اس سے گوشت طلب کیا تو اس نے اسے اپنے ڈنڈے سے مارا۔

سورت کے نزول کا واقعہ تو سمجھ ہی گئے کہ یتیم کا واقعہ پیش آیا اور اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

ترجمہ

﴿أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ﴾

کیا آپ نے دیکھا ہے اس شخص کو جو سزا و جزا کو جھٹلاتا ہے۔

عمومی طور پر لوگ خدا کے وجود کے منکر بھی ہوں نا تو جزاء اور سزاء کے قائل ہوتے

ہیں۔ کیونکہ عقل کہتی ہے کہ ایک دن ایسا ہونا چاہیے کہ نیکی والے کو اس کا اجر ملے اور برائی والے کو اس کی سزا ملے۔ جزاء اور سزاء عقل بھی مانتی ہے۔ لیکن کچھ ایسے کم بخت ہیں جو اس کو بھی نہیں مانتے۔ تو ابو جہل قیامت کو نہیں مانتا تھا۔

﴿فَذَٰلِكَ ٱلَّذِى يَدُعُّ ٱلْيَتِيمَ﴾

وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

دع، یدع ......دھکے دینا۔

اسی سے ہے:

﴿يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾﴾ [الطور:١٣]

قیامت کے دن مجرم کو دھکے مار مار کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔

﴿وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ ٱلْمِسْكِينِ﴾

اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔

تو یہ بڑے بڑے گناہ ہیں۔ یتیم کو دھکے دینا، ڈانٹنا اور مسکین کو کھانا نہ کھلانا۔ شریعت اتنی خوبصورت ہے وہ چاہتی ہے کہ ہر بندے کو اللہ تعالیٰ پیٹ بھرنے کا موقع دے۔ اس لیے شریعت نے مہمان نوازی سکھائی کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی آئے تم فوراً اس کو کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے پیش کرو۔ جو بھی ہو۔ اس میں ضروری نہیں ہے کہ مشروبات ہوں، ماکولات ہوں۔ آپ سادہ پانی بھی پیش کر دیں گے نا تو مہمان Comfortable (راحت میں/ پرسکون) ہو جاتا ہے۔ کہ ہاں بھئی میرے آنے پر اس کو خوشی ہوئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِلدَّاخِلِ وَحْشَةٌ))

جب بندہ آتا ہے تو اس کے اوپر ایک وحشت ہوتی ہے کہ پتہ نہیں کہ میرا آنا اس کو کہیں ناگوار تو نہیں گزرا۔ اب اگلا بندہ اگر پانی بھی پیش کر دے تو وحشت ختم ہو جاتی ہے، اپنائیت آجاتی ہے۔ اس لیے شریعت نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ کھانا کھلاؤ ایک دوسرے کو خاص طور پر مسکین کو۔ یہاں تک ایک مضمون تھا۔ آگے فرمایا:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ﴾

پھر بڑی خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے

﴿الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾

جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔

مسلمان معاشرے میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے، جو منافق تھے اور نماز میں سستی کرتے تھے۔ اور یہ نماز میں سستی کرنے کی رسم آج تک چلتی آرہی ہے۔ آج بھی جس بندے کے دل میں نفاق ہوتا ہے وہ نماز میں سستی کرتا ہے۔ اور اس کا شکار عورتیں بہت زیادہ ہیں۔ دل میں ہوتا ہے کہ نماز پڑھتی ہوں، پڑھتی ہوں، پڑھتی ہوں بس میں چائے بنا کے پڑھتی ہوں، بس مہمانوں کو کھانا دے کر پڑھتی ہوں۔ اور اس میں ٹائم نکال بیٹھتی ہیں۔ اصول یہ ہے کہ جب آذان کی آواز سن لی، وضو کر کے مصلے پر آجاؤ اور اللہ کا فریضہ پہلے ادا کرو۔ باقی کام بعد میں اور کچھ جاہل صوفی ہوتے ہیں جو ویسے ہی بے نمازی ہوتے ہیں۔ مجھے اپنی زندگی میں ایک ایسا صوفی ملا، صوفی کیا وہ تو جاہل تھا۔ مجھے کہنے لگا جی کہ آپ نماز پڑھتے ہیں ہم نماز قائم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ قائم کرنے کا کیا معنی؟ کہتا ہے کہ جی اللہ نے یہ نہیں کہا: کہ نماز ادا کرو اللہ نے تو یہ کہا ہے کہ

نماز قائم کرو۔ میں نے کہا پھر؟ کہتا ہے کہ ہماری کیفیت ہر وقت نماز والی ہوتی ہے۔ تہاڈی پنج ویلے ساڈی ہر ویلے۔تم دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھتے ہو ہم ہر وقت نماز کی حالت میں رہتے ہیں۔اس طرح دیہاتی لوگوں کو گمراہ کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔پھر وہ مجھے کہنے لگا کہ جی صحابہ میں سب سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں میں نے کہا: کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اپنی جگہ پر لیکن صحابہ میں تو اور بھی صحابہ ہیں جو ان پر بھی فضیلت رکھتے ہیں۔کہتا ہے کہ جی قرآن کا فیصلہ ہے کہ حضرت علی سب سے افضل ہیں۔ تو ان دنوں میں قرآن کا ترجمہ پڑھ رہا تھا، استاذ صاحب سے تو مجھے حیرت ہوئی تو میں نے کہا: کہ قرآن میں کہاں درج ہے؟ کہنے لگا دیکھ لیں وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیمُ اور وہ جو علی ہے وہی عظیم ہے۔اگر ایسا ترجمہ کریں گے تو ایمان کا تو جنازہ نکل گیا نا......!!!

اللہ تعالیٰ ایسے جاہل صوفیوں سے ہمیں محفوظ فرمائے۔

حضرت قریشی رحمہ اللہ نے واقعہ سنایا کہ ایک جاہل پیر تھا نماز نہیں پڑھتا تھا۔جس گھر میں گیا گھر کی خاتون بڑی پریشان تھی کہ یہ کیسا پیر ہمارے گھر آیا ہے کہ نماز بھی نہیں پڑھتا۔اس نے خاوند سے پچھوایا کہ یہ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اس نے یہی جواب دیا کہ تہاڈی پنج ویلے ساڈی ہر ویلے۔خاتون نے کہا: کہ نماز تو پڑھنی ضروری ہے، فرض ہے، پڑھنی چاہیے۔تو اس نے نیا بہانہ بنایا، کہتا ہے جی کہ میں مدینہ پڑھ کے آتا ہوں۔ خاتون بھی سمجھدار تھی، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔اب اگلے دن کھانے میں اس نے دہی دی مگر پہلے چینی برتن میں ڈال دی اوپر دہی رکھ دی۔اب پیر صاحب نے جب دہی سے چکھ لیا تو کہنے لگا کہ یہ کیا ہے، اس میں تو چینی نہیں ڈالی؟ اس نے کہا کہ پیر صاحب دہی میں چینی تو نظر نہیں آتی آپ کو یہاں بیٹھے مکہ اور مدینہ کی چیزیں کیا نظر آئیں گی؟

تو نماز میں سستی کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اس لیے عادت یہ ہونی چاہیے کہ جیسے ہی اللہ اکبر کی آواز آئی، سب کام روک دو، وضو کر کے پہلے نماز ادا کرو پھر باقی کام۔ اور ابھی پڑھتی ہوں، ابھی پڑھتی ہوں شیطان اس کا فائدہ اٹھاتا ہے اور نماز قضا کروا دیتا ہے۔ نیک عورت کو شیطان یہ کبھی نہیں کہتا کہ تو نے نماز نہیں پڑھنی، کہتا کہ پڑھنی ہے بس تھوڑا سا دم لے لو بس، میں نے یہ چیز رکھی ہوئی ہے، تیار ہو جائے تو میں فوراً پڑھتی ہوں۔ اور کاموں میں کام نکلتے آتے ہیں اور نماز لیٹ ہو جاتی ہے یا قضا ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا:

﴿الَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ﴾ جو دکھاوا کرتے ہیں۔

دکھاوا اللہ کو بہت ناپسند ہے۔ ریاکاری کی وجہ سے بندہ کوئی بھی عمل کرے گا پہاڑوں کے برابر بھی ہوگا اللہ اسے رد کر دیں گے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک عالم کو پیش کیا جائے گا، اللہ فرمائیں گے میرے بندے! کیا لایا؟ یا اللہ! میں نے ساری عمر دین کی خدمت کی، میں خطیب تھا، میں وعظ کرتا تھا، میں فلاں کرتا تھا، میں فلاں کرتا تھا۔ اللہ فرمائیں گے تو جو کرتا تھا اس لیے کہ لوگ تجھے بڑا خطیب کہیں، تیرا نام ہو، خطابت کی دنیا کے بے تاج بادشاہ، چونکہ تیری نیت یہ تھی لہٰذا مجھے تیرا کوئی عمل پسند نہیں۔ فرشتو! اس کو الٹا کر کے جہنم کے اندر پھینک دو۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بلائیں گے جو بڑا افلاحی کام کرواتا تھا اور بڑا خیر خواہ تھا لوگوں کا۔ میرے بندے کیا کیا؟ اللہ اتنی پلیں بنوائیں، اتنے یتیم خانے بنوائے، اتنے مدرسے بنوائے، اتنی مسجدیں بنوائیں۔ اللہ فرمائیں گے تم نے جو کچھ بھی کیا اس لیے کیا کہ لوگ تجھے بڑا سخی کہیں جاؤ میرے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں اس کو بھی

الٹا جہنم میں ڈال دو۔ پھر ایک شہید کو پیش کیا جائے گا میرے بندے کیا لائے؟ اللہ میں آپ کے راستے میں جہاد کرتا تھا اور میں نے تو اپنی جان پیش کر دی۔ اللہ فرمائیں گے کہ تو نے تو اس لیے کیا کہ لوگ تجھے بڑا بہادر کہیں گے کہ فلاں بڑا بہادر تھا۔ چونکہ تیری نیت دکھاوے کی تھی لہٰذا اس کو بھی جہنم میں ڈال دو۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ زانی شرابی کو پہلے نہیں ڈالا جائے گا، عالم، سخی اور شہید کو پہلے ڈالا جائے گا۔

﴿وَيَمۡنَعُونَ ٱلۡمَاعُونَ﴾

اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔

معمولی چیزوں سے کیا مراد استعمال کی چھوٹی چھوٹی چیزیں۔ جیسے ہمسائے میں لوگ پانی مانگ لیتے ہیں، نمک مانگ لیتے ہیں، آگ مانگ لیتے ہیں، ماچس کی تیلی مانگ لیتے ہیں، تو یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں، جب قریب قریب خیمے لگے ہوئے ہوں تو ایک عورت دوسری کو پیغام بھجوائے گی کہ تیلی کی ضرورت ہے آگ جلانی ہے، تو دوسری نہ نہیں کر سکتی ایک کہے کہ جی ہمارے پاس پانی ختم ہو گیا ہے پانی دے دیں تو دوسری نہ نہیں کر سکتی۔ یہ معمولی چیزیں ہیں، یہ دینی چاہئیں اور ان کا نہ دینے والا اللہ کو بہت زیادہ ناپسند ہے۔

تفسیر

اس سورت میں کفار ومنافقین کے چند برے اعمال اور اُن پر جہنم کی وعید کا ذکر ہے۔ یہ افعال قبیحہ اگر کسی مسلمان سے صادر ہوں تب بھی مذموم اور سخت گناہ ہیں، تاہم اس سورت میں جس بندے کا تذکرہ ہو چکا ہے، وہ روز جزا کا منکر یعنی کافر تھا۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ برے اور قبیح اعمال کفار کے لائق ہیں، مسلمان

کے شایانِ شان نہیں۔ ایسے بدترین گناہ ہیں جن کا مرتکب وہ بندہ ہوسکتا ہے جو روزِ آخرت اور جزا وسزا پر ایمان نہ رکھتا ہو۔

جن اعمال کا اس سورت میں ذکر ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

1 ......یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین کرنا۔

2 ......قدرت رکھنے کے باوجود محتاجوں، مسکینوں اور بے کسوں کو کھانا نہ کھلانا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا۔

3 ......نماز پڑھنے میں غفلت اور لاپرواہی کرنا۔

4 ......ریاکاری کرنا۔

5 ......زکوٰۃ نہ دینا، یا ایسی کنجوسی کرنا کہ معمولی چیزوں سے بھی دوسروں کو نفع نہ پہنچ پائے۔

﴿أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ①﴾ [الماعون:۱]

أَرَءَيْتَ کیا تم نے دیکھا ہے؟ اس میں استفہام تعجب کے لئے ہے اور خطاب حضور ﷺ کو ہے یا پھر ہر مخاطب کو خطاب ہے۔ رؤیت سے رؤیت بصری (آنکھوں کا دیکھنا) یا رؤیت قلبی (علم) مراد ہے۔

تو معنی یہ بنے گا'' کہ اے میرے محبوب ﷺ! کیا آپ کو وہ شخص معلوم ہے جو جزا وسزا کا انکار کرتا ہے۔

''دین'' سے مراد دین اسلام بھی ہوسکتا ہے، لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں پر دین سے مراد یوم الدین یعنی جزاء کا دن ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''كَمَا تَدِينُ تُدَانُ'' جیسا کروگے، ویسا بھروگے۔

As you sow, so shall you reap.

روزِ آخرت کا انکار بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔

کیونکہ جب بندے کے دل میں یہ ہو کہ کوئی قیامت نہیں تو نفس کہتا ہے کہ جو چاہو کرو۔

؎ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

بابر عیش کر لو زندگی دوبارہ نہیں ملتی۔

دینِ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ عقیدہ دیا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور جب یہ آنکھیں بند ہو جائیں گی تو ایک اور جہان نظر آئے گا اور وہ حقیقی جہان ہے۔ جس کو ''عالمِ آخرت'' کہتے ہیں۔ اچھے یا بُرے اعمال کا بدلہ اُس جہان میں ملے گا۔

عقیدۂ آخرت کے فوائد:

❶ ......عقیدۂ آخرت اور جزا و سزا کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ بندہ نیک اعمال کی کوشش کرتا ہے، بُرے اعمال سے اجتناب کرتا ہے۔

❷ ......دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دنیا میں آنے والی تمام تر مصیبتیں برداشت کرنا بندے کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ بندے کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ وقت گزر جائے گا اور یہ مشقتیں آخرت کی مشقتوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔

غربت ہو، تنگی ہو، افلاس ہو وہ یہی سوچ کر خوش ہو جاتا ہے کہ یہ چند دن کا امتحان ہے ختم ہو گیا تو قیامت کے دن مجھے اس کا اجر ملے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن غریب آدمی امیر آدمی سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو گا۔ جبکہ قیامت کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اب آپ سوچیں کہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پانچ سو سال پہلے جنت عطا فرما دیں گے۔

❸ ......تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک مومن کے ساتھ دنیا میں ظلم اور زیادتی کی جائے تو

اس کو اس بات کی تسلی ہوتی ہے کہ اگرچہ اس وقت مجھے انصاف نہیں مل رہا تو ایک دن آنے والا ہے جس میں مجھے انصاف ملے گا۔ گویا کہ مخلوق کے ظلم اور زیادتی کو برداشت کرنا بندے کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

اور اس کے بالمقابل عقیدۂ آخرت کا انکار بندے کو بُرے اعمال پر جری کر دیتا ہے، اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ انسان بن کے زندگی گزارے یا حیوان بن کے دوسروں کی زندگی اجیرن کر دے۔ گویا کہ وہ زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ

''بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''

''ایہہ جہان مٹھا...تے اگلا کنیں وَنج ڈِٹھا۔''

تکذیب کی دوصورتیں:

جزاوسزا کی تکذیب کی دوصورتیں ہوتی ہیں:

تکذیب اعتقادی:

بندے کا عقیدہ ہی یہی ہو کہ روزِ آخرت کی جزاوسزا کی کوئی حقیقت نہیں۔

تکذیب عملی:

اس کا معنی یہ ہے کہ بندے کا عقیدہ تو یہ ہو کہ روزِ آخرت کی جزاوسزا برحق ہے، لیکن اس کے اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس کے عقیدے کی تکذیب کر رہے ہوتے ہیں، گویا کہ وہ اپنے عمل سے روزِ آخرت کو جھٹلا رہا ہوتا ہے۔

جب یہ عقیدہ ہو کہ میرے اعمال کی باز پرس کرنے والا کوئی نہیں، میرے اعمال کا کوئی حساب نہیں ہوگا، کوئی بدلہ نہیں ہوگا، تو پھر انسان دل کھول کر گناہ کرتا ہے۔

﴿فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝٢﴾ [الماعون:٢]

پس یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

مطلب یہ کہ کیا تم نے دین کی تکذیب کرنے والے کو پہچانا، اگر نہ پہچانا ہو تو سمجھ لو کہ وہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور اس کا حق کھاتا ہے۔

دَعَّ یَدُعُّ کا معنی ہے: قوت سے دھکا دینا۔

ایک قراءت میں یَدَعُ الْیَتِیْمَ ہے۔ یعنی یتیم کو چھوڑتا ہے۔

''یتیم'': اس بچے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے اور وہ بلوغت کی عمر کو نہ پہنچا ہو۔

یتیم کا مال کھانے کا مطلب:

یتیم کا مال کھانے کے دو طریقے ہیں:

1 ...... ایک تو سادہ اور معروف طریقہ ہے کہ والد کے فوت ہونے کے بعد بچے کے چچا اور تایا حق کو دباتے ہیں اور ظلماً کھاتے ہیں۔

2 ...... دوسرا طریقہ یہ مرحوم کے جانے کے بعد تیجہ، چالیسویں کے موقع پر ایصالِ ثواب کے نام پر مرحوم کا چھوڑا ہوا مال عزیز و اقارب کو کھلایا جاتا ہے۔ حالانکہ مرحوم کے ورثاء میں اگر نابالغ اولاد ہے تو کسی بھی صورت میں مشترک مال میں سے ایصالِ ثواب کے نام پر کسی کو کھلانا پلانا جائز نہیں ہے۔

یتیموں کا مال ناحق کھانے کی وعیدیں:

✿...... حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک قوم اپنی قبروں سے اس طرح اُٹھائی جائے گی کہ ان کے منہ سے آگ نکل رہی ہوگی۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: کیا تم نے

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں دیکھا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾﴾[النساء:١٠]

جو لوگ یتیموں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

✿.....حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے معراج کی رات ایسی قوم دیکھی جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹ کی طرح تھے اور ان پر ایسے لوگ مقرر تھے جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتے، پھر ان کے ہونٹوں میں آگ کے پتھر ڈالتے جو اُن کے پیچھے سے نکل جاتے۔ میں نے پوچھا: یہ لوگ کون ہیں؟ جواب ملا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو ظلماً یتیموں کا مال کھاتے تھے۔''

✿.....یتیم کا مال کھانا تو دُور کی بات ہے، غلط ارادے سے یتیم کے مال کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[الاسراء:٣٤]

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو بہتر ہو۔

✿.....حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار شخص ایسے ہیں جنہیں جنت میں داخل نہ کرنا اور اس کی نعمتیں نہ چکھانا اللہ تعالیٰ پر حق ہے:

1. .....شراب کا عادی
2. .....سود کھانے والا
3. .....ناحق طریقے سے یتیم کا مال کھانے والا

④ ......والدین کا نافرمان۔

......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات مہلک گناہوں سے بچو۔ان میں سے ایک ''یتیم کا مال ناحق کھانا'' بھی بیان فرمایا۔

یتیم کی اچھی پرورش کے فضائل:

جس کے زیر سایہ کوئی یتیم ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس یتیم کی اچھی پرورش کرے۔ احادیث میں یتیم کی اچھی پرورش کرنے کے بہت فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

......قرآن مجید میں نیک بندوں کی صفت بیان کی گئی ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ⑧﴾ [الدھر:۸]

وہ لوگ مال کی محبت کے باوجود مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

......حضرت خضر علیہ السلام نے جس دیوار کو بغیر اُجرت کے سیدھا کیا تھا، وہ دیوار یتیموں کی تھی۔حضرت خضر علیہ السلام نے ان پر احسان کیا۔ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ﴾ [الکہف:۸۲]

دیوار دو لڑکوں کی تھی جو یتیم تھے اور اس شہر میں تھے۔

......ارشادِ نبوی ہے: مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی مسکین ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو۔اور سب سے بُرا گھر وہ ہے جس میں کوئی مسکین ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ہوں گے جیسے میرے ہاتھ کی دو اُنگلیاں۔

......حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کسی یتیم کے سر پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہاتھ پھیرے تو ہاتھ کے نیچے جتنے بال

آجاتے ہیں ہر بال کے بدلے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ [الماعون: ۳]

اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔

یعنی روزِ آخرت کو جھٹلانے والے کا حال یہ ہے کہ وہ خود مسکینوں کو کھانا کیا کھلائے، دیگر مالداروں کو اس بات کی ترغیب نہیں دیتا کہ وہ مسکین کو کھانا کھلائیں۔ اور یہ انتہائی درجے کا بخل ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال میں تو بخل کرتا ہی ہے دوسروں کے مال میں بھی بخل کرتا ہے۔

۞..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسکین لوگ جنت میں مالداروں سے چالیس سال پہلے جائیں گے۔ اے عائشہ! مسکین کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ، اگرچہ کھجور کی قاش ہی اُسے دے دو۔ اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کرو، انہیں قریب رکھو، تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت میں تمہیں قریب کر دے۔

۞..... حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ ان کو دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا۔ میں نے جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا۔ میں نے سب سے پہلی بات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، وہ یہ تھی:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ، وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ)) [ابن ماجہ، رقم: ۳۲۵۱]

اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، رشتے ناطے جوڑو، راتوں کو نماز پڑھو اس حال میں کہ لوگ سو رہے ہوں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

۞..... حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے

حضور ﷺ سے پوچھا:

((أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟))

اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

((تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ))

[بخاری، رقم:۱۲]

آپ کھانا کھلائیں اور ہر کسی کو سلام کریں خواہ اسے آپ پہچانتے ہوں یا نہ پہچانتے ہوں۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝﴾ [الماعون:۴]

ویل: کا ایک معنی ''ہلاکت'' ہے۔

دوسرا معنی یہ کہ دوزخ میں ایک مخصوص جگہ ہے، جہاں دوزخیوں کی پیپ جمع ہوتی ہے اور اس میں سانپ اور بچھو بہت زیادہ ہیں۔ دوزخی اس سے خوف کھاتے ہیں۔

......حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْوَيْلُ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ يَهْوِيْ فِيْهِ الْكَافِرُ أَرْبَعِيْنَ خَرِيفًا قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ قَعْرَهُ))

[سنن الترمذی، رقم:۳۱۶۴]

''ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس میں کافر چالیس سال تک گرتا رہے گا۔ اس کی تہ میں پہنچنے سے پہلے پہلے۔''

﴿الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝﴾ [الماعون:۵]

﴿ساھون﴾، سہو سے ہے۔ اس کا معنی ہے: بھول جانا، غافل ہو جانا، بے خبر ہونا۔ غفلت سے جو خطا سرزد ہوتی ہے وہ سہو ہوتا ہے۔

''سہو'' اور ''نسیان'' میں فرق یہ ہے کہ سہو میں بات ذہن سے نکل جاتی ہے، تاہم حافظہ میں محفوظ ہوتی ہے۔ اور نسیان میں قوتِ حافظہ سے بھی نکل جاتی ہے۔ اس لیے سہو میں دوبارہ تھوڑی محنت کر کے اسی بات کا استحضار کیا جاسکتا ہے، جبکہ نسیان میں مکمل طور پہ دوبارہ یاد کرنا ضروری ہوتا ہے۔

گزشتہ آیات میں بندوں کے حق ضائع کرنے کا ذکر تھا، ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ضائع کرنے کا بیان ہے۔

اس آیت میں منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو دکھلانے اور ان کی نظروں میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے نماز تو پڑھتے ہیں مگر چونکہ وہ نماز کی فرضیت ہی کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ اس لئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں، نہ اصل نماز کی، جہاں دکھلانے کا موقع ہو، پڑھ لی، ورنہ ترک کر دی۔

﴿عَنْ صَلَاتِهِمْ﴾ میں ''عن'' کا مفہوم یہی ہے کہ وہ اصل نماز ہی سے بے پرواہی کرتے ہیں۔ رہا نماز میں سہو اور نسیان کا ہو جانا۔ یہاں یہ مراد نہیں۔ یہ سہو و نسیان ہر مسلمان کو پیش ہوتا ہے، بلکہ حضور ﷺ کو بھی متعدد بار نماز میں سہو واقع ہوا۔ اگر یہ معنی مراد ہوتا تو لفظ ''عَنْ'' کی بجائے لفظ ''فِی'' استعمال ہوتا، یعنی یوں ہوتا: ''الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ''۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ دونوں نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ ''الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ'' فرمایا ہے، ''الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ'' نہیں فرمایا۔

''عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ'' کے معنی میں اور کئی اقوال ہیں:

1 ...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ''عَنْ

صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ" کا مطلب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے نماز کو ضائع کرنا۔

2 ...... جو لوگ نماز کو تاخیر سے ادا کرتے ہیں، ان کی مذمت کے بارے میں حضور ﷺ کی یہ حدیث کافی ہے:

((تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا)) [مسلم، رقم: ۶۲۲]

یہ تو منافق کی نماز ہے کہ سورج کو بیٹھے دیکھتا رہتا ہے جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان میں ہوتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارنے لگ جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا مگر بہت تھوڑا۔

3 ...... "ساهون" وہ لوگ ہیں جو مقررہ وقت پر نماز نہیں پڑھتے اور رکوع وسجود کو پورا ادا نہیں کرتے۔

4 ......نماز میں رکوع، سجدہ پورا نہ کرنے کو حضور ﷺ نے بدترین چوری سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((أَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً اَلَّذِيْ يَسْرِقُ صَلَاتَهُ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَسْرِقُ صَلَاتَهُ؟ قَالَ: لَايُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَاسُجُوْدَهَا.)) [موطا امام مالک، رقم: ۷۲]

بدترین چوری کرنے والا شخص وہ ہے جو نماز میں سے بھی چوری کرلے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! نماز میں سے کس طرح چوری کرے گا؟ ارشاد فرمایا: اُس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح نہ کرے۔

5 ...... یہ وہ لوگ ہیں جن کو پرواہ نہیں ہوتی کہ نماز پڑھی یا نہیں پڑھی۔

6 ...... یہ وہ لوگ ہیں جن کو نماز پڑھ کر ثواب کی امید نہیں ہوتی۔ اور نہ پڑھ کر عذاب

کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

7 ...... یہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں غفلت اور سستی کرتے ہیں۔

8 ......حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دکھلانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔فوت ہو جائے تو پرواہ نہیں کرتے۔

﴿الَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ﴾

''یُراءُون'' رؤیت، باب مفاعلہ سے ہے، یعنی لوگوں کو اپنے اچھے اعمال دکھاتے ہیں، تاکہ لوگ ان کی تعریف کریں۔

ریا، بڑے سے بڑے عمل کو نہ صرف یہ کہ باطل کر دیتا ہے، بلکہ اُلٹا بندے کے لیے مؤاخذے کا سبب بنا دیتا ہے۔

✿......حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کی خیرات کی اس نے شرک کیا۔

✿......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحَزَنِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحَزَنِ قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَدْخُلُهُ قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاءُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ.)) [ابن ماجہ، رقم:۲۵۶]

غم کے کنویں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! غم کا کنواں کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی دن میں 100 مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس میں کون داخل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قاری جو ریاکاری کے ساتھ اعمال کرتے ہیں۔

۞.....ارشادِ خداوندی ہے:

﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ [الزمر:۳]

۞.....اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کو بھی اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیا۔

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [البینۃ:۵]

ان لوگوں کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے۔

﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ [الماعون:۷]

لفظ "مَاعُونَ" کے معنی میں مختلف اقوال ہیں:

۱ .....اصل لغت میں "ماعون" کا معنی ہے: "اَلشَّيْءُ الْقَلِيْلُ وَ الْحَقِيْرُ" (تھوڑی سی چیز)۔

۲ .....عام استعمال کی اشیاء جو عادۃً ایک دوسرے کو دے دی جاتی ہیں، ان کا نہ دینے والا انتہائی بخیل، کنجوس اور کمینہ سمجھا جاتا ہے مثلاً نمک، مرچ، پانی، ہانڈی، آگ، ماچس کی تیلی اور استعمال کے برتن وغیرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ پانی کی اہمیت تو میں جانتی ہوں، نمک اور آگ میں کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! جس نے کسی کو آگ دی تو اس نے گویا اس آگ پر پکا ہوا سارا کھانا دیا۔ اور جس نے نمک دے دیا اس نے گویا اس نمک سے درست کیا ہوا کھانا دیا۔ اور جس نے کسی ایسے مقام پر پانی دیا جہاں پانی نہیں ملتا، اس نے گویا ایک غلام آزاد کیا اور جس نے پانی نہ ملنے کے مقام میں کسی مسلمان کو پانی پلایا اس نے گویا اس کو زندہ کر دیا۔

۳ .....زکوٰۃ: تیسرا معنی "زکوٰۃ" ہے۔ تو پھر مقصد یہ ہوگا کہ یہ زکوٰۃ کا فریضہ نہیں

ادا کرتے۔ زکوٰۃ کو ماعون اس لئے کہا گیا کہ وہ بھی مقدار کے لحاظ سے انتہائی قلیل ہوتی ہے جو کہ چالیسواں حصہ ہے۔ مفسرین نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ عذابِ جہنم کی دھمکی زکوٰۃ چھوڑنے پر ہی ہو سکتی ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾

[التوبۃ: ۳۴،۳۵]

''اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، اب چکھو اس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔''

✿ ...... دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ [آل عمران: ۱۸۰]

''اور جو لوگ اس (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے کوئی اچھی بات ہے، اس کے برعکس یہ ان کے حق میں بہت بری بات ہے، جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہوگا، قیامت کے دن وہ ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔''

○ ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ [بخاری، رقم: ۴۲۸۹]

''جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے زکوۃ نہ اداء کی تو اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اس کے پاس لایا جائے گا جس کے سر کے پاس دو چتیاں ہوں گی قیامت کے دن اس کا طوق بنایا جائے گا، پھر اس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔''

سورۃ الماعون کے خواص

❶ ...... جو آدمی کسی برتن پر اس سورت کو پڑھ کر دم کردے، وہ برتن ٹوٹنے سے محفوظ رہے گا۔

❷ ...... جو آدمی صبح کو کسی سے بات کرنے سے پہلے اس سورۃ کی تلاوت کو روزانہ کا معمول بنالے تو اس کی دعا قبول ہوگی۔

❸ ...... جو شخص خواب میں اس سورت کی تلاوت کرے گا، وہ اپنے مخالفین واعداء پر کامیابی حاصل کرے گا۔

﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾
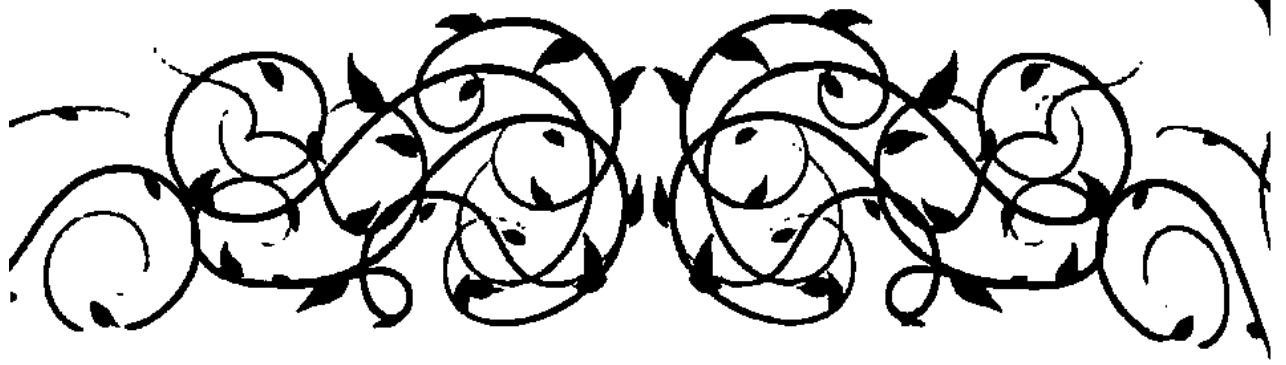
سورۃ قریش

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ② فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ③ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④﴾ [قریش:۱تا۴]

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

سورت قریش:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے حضرت ضحاک رحمہ اللہ کے واسطہ سے ذکر کیا ہے کہ یہ ''مدنی'' سورت ہے۔ جمہور کے نزدیک سورۃ قریش بغیر کسی اختلاف کے ''مکی'' سورت ہے۔

سورت قریش کی آیات ورکوع کی تعداد:

یہ سورت ایک رکوع اور چار آیات پر مشتمل ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس میں پانچ آیات ہیں، انہوں نے "اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ" کو علیحدہ آیت شمار کیا ہے۔

اس سورت کے کل الفاظ 17 اور کل حروف 71 ہیں۔

سورۃ قریش ترتیب کے لحاظ سے قرآن کریم میں 106 نمبر سورت ہے۔ نزول کے اعتبار سے 29 ویں سورت ہے۔ یہ سورۃ التین کے بعد اور سورۃ القارعۃ سے پہلے نازل ہوئی۔

سورۃ مبارکہ کا نام:

مفسرین کرام نے اس سورت مبارکہ کے دو نام ذکر کئے ہیں:

1 ......سورۃ "قُرَيْش":

اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:

1 ......اس سورۃ کو سورۃ قریش اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں خاص طور پر قریش پر احسان کا ذکر ہے۔

2 ......اس سورت کی پہلی ہی آیت میں "قریش" کا لفظ آیا ہے جو عرب کا سب سے معزز قبیلہ تھا، اس لیے اس سورۃ کا نام قریش ہے۔

2 ......سورۃ "لِاِيْلَافِ":

اس سورت میں "لایلاف قریش" کا لفظ مذکور ہے، اس لئے اسے "لایلاف" کا نام دیا گیا ہے۔

ربط و مناسبت:

❶ ......سابقہ سورت میں اصحاب الفیل کا واقعہ بیان ہوا، اس کا تعلق کعبۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اس کے متولی قبیلہ قریش سے بھی تھا، قریش پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا کہ خون کا ایک قطرہ بہے بغیر ابرہہ کو شکست دے دی۔ اب اس سورت میں قریش مکہ پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

❷ ......پچھلی سورت میں قریش مکہ کو یہ بات سمجھائی کہ سرزمین عرب میں جو اَمن ان کو حاصل ہے، وہ اسی گھر کی بدولت ہے۔ اس سورت میں یہ واضح کیا ہے کہ اس سرزمین میں ان کو رزق کے جو وسائل حاصل ہیں، ان کی راہیں بھی اسی گھر کی بدولت کھلی ہیں۔

اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ مضمون کے لحاظ سے یہ سورت، سورۂ فیل سے بہت ہی مناسبت رکھتی ہے۔ شاید اسی شدید مناسبت کی وجہ سے حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ان دونوں سورتوں کو ایک کر کے لکھا گیا ہے، ان کے درمیان میں بسم اللہ شریف بھی نہیں لکھی گئی۔ چنانچہ ایک گروہ نے دونوں کو ایک ہی شمار کر لیا۔

لیکن صحیح یہی ہے کہ سورۃ قریش ایک مستقل اور علیحدہ سورۃ ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے زمانے میں تمام مصاحف کو یکجا کر کے ایک نسخہ تیار کرایا، تب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہوا۔ اس مصحف عثمانی میں دونوں کو دو مستقل سورتیں قرار دیا گیا اور بسم اللہ شریف بھی درمیان میں لکھی گئی۔

ترجمہ

﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ﴾

اس لیے کہ قریش کو مانوس کر دیا۔

﴿إِلَٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾

(یعنی) سردیوں اور گرمیوں کے سفر سے مانوس رکھنے کی وجہ سے۔

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ﴾

پس انہیں بندگی کرنی چاہیے اس گھر کے رب کی۔

﴿الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ﴾

جس نے ان کو بھوک میں کھلایا اور ان کو خوف سے امن دیا۔

تفسیر

﴿لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ﴾

''اِیْلَافٌ'' کا معنی ہے: ''مانوس کرنا''۔

''لِاِیْلَافِ'' میں لام حرفِ جر اور ''اِیْلَاف'' مجرور ہے۔ جار مجرور کا تعلق کس لفظ کے ساتھ ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں:

① ...... اس کا تعلق ''اَهْلَكْنَا'' محذوف کے ساتھ ہے یعنی ''اِنَّا أَهْلَكْنَا اَصْحَابَ الْفِيْلِ لِاِیْلَافِ قُرَيْشٍ'' تو معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے ہاتھی والوں کو اس لئے ہلاک کیا، تاکہ قریش گرمی و سردی کے سفروں کے ساتھ مانوس ہو جائیں، تاکہ ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

② ......بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا تعلق محذوف جملہ ''اَعْجِبُوْا'' سے ہے۔ یعنی ''اَعْجِبُوْا لِاِیْلَافِ قُرَيْشٍ'' تو معنی ہوگا کہ تعجب کرو قریش کے معاملے سے، کس

طرح بے خطر ہو کر آزادانہ سردی و گرمی کے سفر کرتے ہیں۔

3 ......بعض نے فرمایا کہ اس کا تعلق اس جملہ سے ہے جو آگے آیت میں آ رہا ہے یعنی "فَلْيَعْبُدُوْا" کے ساتھ۔ تو مطلب یہ ہوا کہ قریش کو اس نعمت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا اور اس کی عبادت میں لگ جانا چاہئے۔

4 ......ایک قول یہ ہے کہ "لِاِيْلٰفِ" سورۃ الفیل کی آخری آیت "فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ" کے ساتھ متعلق ہے۔ تو معنی یہ بنے گا کہ اللہ نے ابرہہ کے لشکر کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا، تا کہ قریش مانوس ہو جائیں۔

قبیلۂ قریش کا تعارف:

قریش، نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیرہویں دادا ہیں۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مبارک یوں ہے:

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

اور جو بھی نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہے، اسے "قریشی" کہتے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی قبیلے سے تھے اور اکثر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی قبیلے سے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریشی بھی تھے اور ہاشمی بھی، کیونکہ ہاشم، قریش ہی کی ایک شاخ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس، حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہم بھی بنو ہاشم سے تھے، جبکہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم اور تمام بنو اُمیہ قریش میں سے تو تھے، لیکن ہاشمی نہیں تھے۔

قریش کی وجہ تسمیہ:

① ......قریش ''قَرْش'' کی تصغیر ہے، یہاں تصغیر تعظیم کے لیے ہے۔

اور قرش ایک دریائی جانور ہوتا ہے جو بہت قوت والا ہوتا ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قریش کو قریش کیوں کہا جاتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ایک جانور کی وجہ سے جو سمندر میں ہوتا ہے جسے قریش کہتے ہیں، جو سمندری جانوروں میں سب سے بڑا ہے۔ اس کے پاس سے کوئی لاغر یا موٹی چیز گزرتی ہے تو وہ اسے کھا جاتا ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے دلیل کا مطالبہ کیا تو اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنائے:

وَ قُرَيْشٌ هِيَ الَّتِيْ تَسْكُنُ الْبَحْرَ
بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشَا

''اور قریش وہ جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اس وجہ سے قریش کو قریش کا نام دیا گیا۔''

تَأْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِيْنَ وَلَا تَتْرُكُ
مِنْهَا لِذِي الْجَنَاحَيْنِ رِيْشَا

''وہ کھاتا ہے کمزور موٹے جانور کو اور نہیں چھوڑتا ان میں سے پروں والے جانوروں کے پر کو بھی۔''

هٰكَذَا فِي الْبِلَادِ حَيُّ قُرَيْشٍ
يَأْكُلُوْنَ فِي الْبِلَادِ أَكْلًا كَمِيْشَا

''اسی طرح شہروں میں قریش کا قبیلہ ہے جو شہروں کو انتہائی مضبوطی اور جرأت کے ساتھ نگل جاتے ہیں۔''

سہ وَ لَهُمْ آخِرُ الزَّمَانِ نَبِيٌّ
يُكْثِرُ الْقَتْلَ فِيهِمْ وَالْخُمُوشَا

''قریش کے لیے سعادت کی بات ہے کہ ان میں آخری زمانہ کے نبی ہیں، قریش میں قتل کرنا اور زخمی کرنا عام معمول ہے۔''

2 ...... ''قَرْشَہ'' سے ہے، جس کے معنی ہیں: ''جمع کرنا''۔

عبدالملک بن مروان نے محمد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ قریش کا نام قریش کب رکھا گیا؟ تو انہوں نے کہا: جب وہ لوگ حرم پاک میں اپنے افتراق اور انتشار کے بعد جمع ہوئے۔ یا اس لیے کہ قریش تجارتی سامان جمع کرتے اور خریدتے تھے۔

3 ...... ''تَقَرَّش'' سے ہے، جس کے معنی ''کمانے'' کے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ تجارت کے ذریعے کمائی کرتے تھے، اس لئے ان کو قریش کہا گیا۔

4 ...... ''تَقْرِیْش'' سے ہے، جس کے معنی ''تفتیش'' کے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ حاجیوں کی حاجتیں معلوم کر کے پوری کیا کرتے تھے۔

قریش کی فضیلت:

1 ......حضرت واصلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم میں سے بنو اسماعیل کو، بنو اسماعیل میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمالیا ہے۔

2 ...... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت قریش میں ہوئی تو سب سے پہلے ایمان و احکام کے مکلّف قریش ہی ہوئے، باقی لوگ ان کے بعد مکلّف قرار پائے۔ لہٰذا جو قریشی ایمان

لائے اور اعمال صالحہ کیے، ان کو اپنے ایمان واعمال کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں آنے والوں کا بھی اجر وثواب ملے گا۔

3 ...... مستدرک حاکم میں حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَضَّلَ اللّٰہُ قُرَيشًا بِسَبعِ خِصالٍ لَمْ يُعطِها أحدًا قبلَهم وَلايُعطيهم أحدًا بَعدَهم؛ أَنِّي منهم، أَنَّ النبوةَ فيهم والحِجابةُ وَالسِّقايةُ فيهم وَ أَنَّ اللّٰہَ نَصَرَهُم عَلَى الفِيل، و أَنَّهُم عَبَدُوا اللّٰہَ عزوجل عَشرَ سِنينَ لَا يَعبُدُه غيرَه، و أَنَّ اللّٰہَ أنزَلَ فيهم سورةً لَمْ يُذكَرْ فيها أحدٌ غيرُهم ثُمَّ تَلَا رسولُ اللّٰہِ صلى اللّٰہ عليه وسلم ﴿لإيلاف قريش﴾"

اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات ایسی خصوصیات کے ذریعے فضیلت عطا فرمائی ہے کہ وہ خصوصیات نہ ان سے پہلے کسی کو ملیں اور نہ ان کے بعد کسی کو ملیں گی۔

1 ...... میں ان میں پیدا ہوا۔

2 ......نبوت ان میں ہے۔

3 ......کعبہ کی دربانی ان کے لئے مخصوص رہی۔

4 ......حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت ان کو دی گئی۔

5 ......اصحاب فیل کے مقابلہ میں ان کی مدد کی گئی۔

6 ......سات (ایک روایت میں دس) سال تک قریش کے سوا کسی نے اللہ کی عبادت نہیں کی (یعنی نبوت کے ابتدائی دس سال میں ان کے علاوہ اور کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ اگرچہ کچھ غلام مسلمان ہوئے، لیکن غلام قوم کے تابع ہوتا ہے۔)

3 ...... قریش کے متعلق ایک سورت مستقل طور پر نازل کی گئی جس میں ان کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں کیا گیا، اور وہ سورت ''لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ '' ہے۔

4 ...... بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے، خلافت اور امارت ان میں رہے گی۔ جو ان سے دشمنی رکھے گا، اللہ اس کو منہ کے بل گرا دے گا۔

5 ...... حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو ان کو ذلیل کرنا چاہے گا، اللہ ان کو ذلیل کرے گا۔

6 ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ نِسَاءُ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَ أَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ''

''اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہتر عورتیں قریش کی ہیں۔ اپنے بچوں پر ان کے بچپن میں شفیق ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرنے والی ہیں۔''

﴿إِۦلَٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ ٱلشِّتَآءِ وَٱلصَّيۡفِ﴾

مکہ مکرمہ چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی بے آب و گیاہ وادی تھی، جس میں سوائے بکریاں چرانے، سوت کاتنے اور معمولی کھیتی باڑی کے اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ پانی کی شدید قلت اور کمی کی وجہ سے نہ ان کے باغ اور کھیتیاں تھیں جن سے وہ پھل اور پیداوار حاصل کر سکتے۔ ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کا اہم ترین ذریعہ تجارت اور آس پاس کے ملکوں کی تجارتی منڈیوں میں استعمال کی چیزیں لا کر فروخت کرنے پر تھا۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ''وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ'' قرار دیا تھا

یعنی ایسی وادی جس میں کوئی چیز اُگتی نہ تھی۔ اس سب کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ''وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ'' کی برکت سے اہل مکہ تجارت کے ذریعے اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پالتے تھے۔ لیکن آئے روز لڑائیاں، ایک قبیلہ کی دوسرے قبائل کے ساتھ دشمنیاں، ہر طرح کی لُوٹ مار اور قتل و غارت گریوں نے ہر شخص پر ایک خوف طاری کر رکھا تھا۔

بدامنی اور فسادات نے فقر و فاقے، بھوک اور اِفلاس کی انتہاؤں پر پہنچا دیا تھا، یہاں تک کہ لوگ ضروری کپڑوں اور پورے لباس تک سے محروم ہو چکے تھے۔ پورے جزیرۃ العرب کا یہ حال تھا کہ حرمت والے مہینوں (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) کے سوا (جن میں عرب جنگ اور قتل و غارت گری کو حرام اور ناجائز سمجھتے تھے) دُور دُور تک امن و سلامتی کا وجود نہ تھا۔ اسی لیے عکاظ کا میلہ اور ذوالمجاز اور مجنّہ کی منڈیاں ان چار مہینوں ہی میں لگا کرتی تھیں۔ حالانکہ ہر شخص اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ اگر تجارت کرنے والوں کو راستے کا امن، سکون، سلامتی اور اطمینان حاصل نہ ہو تو وہ کسی قسم کی تجارت کر ہی نہیں سکتے۔

جزیرۃ العرب کا یہ حال تھا کہ راستے کے امن اور سلامتی نہ ہونے کی وجہ سے ہر قافلہ خوف اور ڈر کی وجہ سے راتوں رات عرب کے علاقہ سے نکل کر یمن، شام، فلسطین اور مصر کا سفر اختیار کرتا تھا، اسی طرح وہ قافلہ لرزتا اور سلامتی کی دعائیں کرتے ہوئے واپس آیا کرتا تھا۔

جزیرۃ العرب کے ایک طرف یمن اور دوسری طرف فلسطین اور آس پاس کے ملک تھے جو تجارت اور زراعت کی وجہ سے بہت ترقی یافتہ علاقے کہلائے جاتے تھے اور

کسی حد تک علم کی روشنی سے بھی آشنا تھے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان قوتیں یہاں قائم ہوئی تھی۔ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً 50 سال پہلے حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کرلیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیدائش کی چند سال بعد اہل ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ فلسطین اور آس پاس کے ملک صدیوں سے انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کی وجہ سے پُرنور رہتے تھے۔ شام، اُردن، ایران اور یروشلم سب کے سب فلسطین کا حصہ سمجھے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ یمن اور فلسطین ایسے ملک تھے جہاں کی تجارت اور زراعت سے اہل حجاز تمام ضروریاتِ زندگی کا سامان حاصل کرتے تھے۔

لیکن ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس شدید ترین بدامنی، بھوک اور افلاس کے زمانے میں قریشیوں کا یہ حال تھا کہ وہ بغیر کسی خوف کے ہر موسم اور ہر ملک کا سفر کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ عرب کے جنگجو قبیلے بھی ''قریش'' کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ فرماتے کہ ان کو کچھ نہ کہو، یہ ''اللہ کے گھر کے رکھوالے ہیں''۔ اس طرح قریش سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام، فلسطین، مصر اور آس پاس کے ملکوں کا سفر بڑی آزادی کے ساتھ کیا کرتے تھے، انہیں کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہوا کرتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا ہاشم، چونکہ ان سب کے سردار مانے جاتے تھے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ اس تجارت میں جو منافع حاصل ہوتا، اسے قریش کے امیر وغریب سب میں تقسیم کردیتے تھے، یہاں تک کہ ان کا غریب آدمی بھی مالداروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ مزید احسان فرمایا کہ ہر سال کے دو سفروں کی زحمت سے بھی اس طرح بچادیا کہ مکہ مکرمہ سے ملے ہوئے علاقہ یمن اور تبالہ کو اتنا سرسبز اور زرخیز بنادیا کہ وہاں کا غلہ ان کی ضرورت سے زائد ہونے کی بناء پر ان کو ضرورت پڑی کہ یہ

غلّہ جات وہاں سے لاکر جدّہ میں فروخت کریں۔ چنانچہ اکثر ضروریاتِ زندگی جدّہ میں ملنے لگیں۔ مکہ والے ان طویل دوسفروں کے بجائے صرف دومنزل پر جاکر جدّہ سے سب سامان لانے لگے۔ آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں پر اسی احسان وانعام کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قریش کو یاد دلایا ہے کہ انہیں تجارت کی یہ سہولتیں ان کی کسی ذاتی صلاحیت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اللہ کے گھر کی وجہ سے عطا کی گئی ہیں۔ بدامنی میں سکون و سلامتی اور بھوک وافلاس میں رزق، یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہے۔ فرمایا کہ اے قریشیو! تمہیں اُسی ''رَبُّ البیت'' کی عبادت وبندگی کرنی چاہیے جس نے تمہیں اس حالت میں بھی ہزاروں نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ یہ انتہائی ناشکری کی بات ہے کہ جس اللہ نے تمہیں دنیا بھر کی قوموں میں سر اُٹھا کر چلنے کی توفیق دی ہے اُس پروردگار کے دین سے سرکشی اختیار کی جائے۔

...... اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے اردگرد کو ناقابلِ زراعت بنایا، تاکہ وہاں جانے والے لوگ، باغات اور سرسبز پہاڑوں کی سیر وتفریح کی نیت سے نہ جائیں۔ پھر وہاں کے باشندوں کو دنیا کی نعمتوں سے محروم بھی نہیں رکھا، بلکہ دنیا بھر کی اقسام وانواع کی پیداوار کو وہاں پہنچانے کے اسباب بھی مہیا فرمادیئے۔

اور یہ اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھا جب انہوں نے بی بی ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں چھوڑا تو تھوڑی دور جاکر ایک جگہ کھڑے ہوکر انہوں نے دعا مانگی:

﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ

لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴿٣٧﴾ [ابراہیم:۳۷]

”اے اللہ میں نے اپنی اولاد کو بسایا ہے ایک ایسی جگہ پر جو وادی غیر ذی زرع ہے آپ کے حرمت والے گھر کے پاس (کس مقصد کے لیے) تا کہ وہ تیری نماز قائم کر سکیں اے اللہ انسانوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دیجیے۔ (دل مائل ہوں گے تو دین کا کام ہو گا نا) اور ان کو کھانے کو پھل عطا فرمایئے تا کہ آپ کا شکر ادا کریں۔“

حضرت ابراہیم کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ اللہ نے پھل مکہ پہنچا دیئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [القصص:۵۷]

ان کو ہر چیز کا ثمرہ/پھل ملے گا۔

یہ نہیں کہ کھیتی کا پھل ملے یا باغوں کا پھل ملے گا، بلکہ ہر چیز کا پھل ملے گا۔ اب اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر آج ان کو سڑکیں بنانے کے لیے، بلڈنگیں بنانے کے لیے مزدوروں کی ضرورت ہے تو پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش کے سب لوگ جانے کو تیار ہیں۔ اولاد بھی تو دل کا پھل ہوتی ہے نا تو اللہ نے یہ پھل بھی یہاں پہنچا دیا۔ ان کو منتیں نہیں کرنی پڑتیں، لوگ ان کی منتیں کرتے ہیں کہ جی ہمیں جاب دے دیں، ہمیں جاب دے دیں حتیٰ کہ انگریز لوگ وہاں جاب ڈھونڈنے کے لیے وہاں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسے قبول فرمائی۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مسجد بیت اللہ کی بیٹی ہے تو اپنی مسجد کا دھیان کر کے اگر اس کے قریب گھر ہے یہ دعا پڑھو کہ اللہ میں نے اپنی اولاد کو اس مسجد کے پڑوس میں بسایا وادِ غیر ذی زرع سے مراد دینی اعتبار سے غیر ذی زرع اور دینی

اعتبار سے واقعی آپ جانتے ہیں کہ آج ہر طرف بے امنی ہے۔

سورت قریش کے فوائد

① ......آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بندے کا سفر کے ساتھ مانوس ہونا اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے: سفر سقر ہے، وسیلہ ظفر ہے۔ بعض لوگ طبعی طور پر سفر کو پسند کرتے ہیں اور انہی اَسفار کی وجہ سے دینی اور دنیاوی فوائد حاصل کرتے ہیں، بلکہ بعض لوگوں کے لئے سفر میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں، کبھی آب و ہوا موافق نہیں آتی، کبھی گھر سے دوری اُداس کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے منافعِ سفر سے محروم رہتے ہیں۔ کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

تَغَرَّبْ علی اسمِ اللّٰهِ و التَمِسِ الغِنی
و سَافِرْ فَفِي الأسفارِ خمسُ فوائدِ

"اللہ کا نام لے کر مال کی تلاش میں نکلو...اور سفر کرو، کیونکہ سفر میں پانچ فائدے ہیں۔"

تَفَرُّجُ همٍّ و اكتِسابُ معيشةٍ
و علمٌ و آدابٌ و رِفعةُ ماجدِ

"سفر میں پریشانیاں ختم ہوتی ہیں، معاشی بہتری آتی ہے، علم حاصل ہوتا ہے، آداب سیکھے جاتے ہیں اور بندے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔"

فإن قيلَ في الأسفارِ ذُلٌّ و غربةٌ
و تشتيتُ شَملٍ و ارتكابُ شدائدِ

"اور اگر یہ کہا جائے کہ سفر میں ذلت، بیگانگی، خلفشار اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

ــہ فَالْمَوتُ خیرٌ لِلفَتی من مُقامہٖ
بِدَارِ ھَوانٍ بین ضِدٍّ و حاسدِ

''تو پھر ایک نوجوان کے لیے موت بہتر ہے، اس سے کہ وہ ذلت اور مخالفت کے مقام پر حاسدین کے درمیان رہے۔''

② ......آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گرمی وسردی اور موسموں کا تغیر مختلف معاشی، معاشرتی اور طبعی فوائد کا باعث ہے۔ جن ممالک میں پورا سال موسم ایک جیسا ہوتا ہے ان کو بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً جہاں سال کے 12 مہینے سردی ہوتی ہے وہاں کے لوگ گرمی کے موسم کے پھلوں اور سبزیوں سے محروم رہتے ہیں۔ زراعت اور کھیتی باڑی میں تنوع نہیں ہوتا۔ مختلف النوع جانور اور پرندے وہاں نہیں پلتے۔ خود ان لوگوں کی صحت بھی قابل رشک نہیں ہوتی۔ جبکہ اس کے بالمقابل جہاں سال کے چار موسم ہوتے ہیں وہاں اس قسم کے مسائل نہیں ہوتے۔

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ﴾

انعامات کا ذکر کرنے کے بعد شکر ادا کرنے کے لئے قریش کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کیا کرو۔ یہاں پہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ''رَبُّ البیت'' ہونے کی صفت کو خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ جس گھر کی وجہ سے قریش کو پوری عرب سرزمین پر عزت اور تکریم ملی ہوئی ہے تو حق بنتا ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کی جائے۔

دراصل بیت اللہ عام کمروں کی طرح پتھروں سے بنا ہوا ایک کمرہ ہے، اس کے تمام تر فضائل اللہ کی تجلیاتِ خاصہ کے نزول کی وجہ سے ہیں، تو حق بنتا ہے کہ بیت اللہ کو معبود ماننے کی بجائے اس اللہ کی عبادت کی بجائے جس کی تجلیات کی وجہ سے بیت اللہ کو عزت

ملی ہے۔

اس آیت میں بظاہر دو نعمتوں کا تذکرہ ہے جبکہ حقیقت میں یہی دو نعمتیں دنیا کی تمام نعمتوں کے لئے اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں، ایک معاشی خوشحالی اور دوسرا امن وسکون کی فراوانی۔ اگر کسی معاشرے میں یہ دو نعمتیں دستیاب ہوں تو علم، صحت، اتفاق و اتحاد، نظم وضبط خود بخود معاشرے کا حصہ بن جاتا ہے۔

اور اس کے بالمقابل جس معاشرے میں معاشی خوشحالی نہ ہو یا امن نہ ہو وہاں بے حیائی اور فحاشی، جرائم کی کثرت، جان مال کا عدم تحفظ، بے چینی اور انتشار پایا جاتا ہے۔ آج دیکھیں ہمارے ملک میں دونوں نعمتیں نہیں ہیں ایک امن نہیں ہے دوسرا خوشحالی نہیں ہے۔

③ ...... حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اس آیت کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں امن اور معاشی خوشحالی عطا کر دیتا ہے اور جو بندہ اللہ کی بندگی سے انحراف کرے، اس سے دونوں قسم کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔

عبادت کے لئے دو اہم چیزیں:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کے لئے دو چیزیں بہت ضروری ہیں:

① : فقر وفاقہ نہ ہو۔

② : بدامنی نہ ہو۔

امن ہو اور پیٹ میں خوراک ہو تو آدمی کو عبادت کرنے کا لطف آتا ہے۔

سورت قریش کے خواص

❶ ......اگر کسی تقریب میں کھانا کم ہوجانے کا خوف ہوتو اس پر سورۃ قریش پڑھ کر دَم کردیں۔ان شاء اللہ! کھانا کم نہ ہوگا۔

❷ ......اگر کسی کے گُردوں میں درد ہوتو اس پر سورۃ قریش پڑھ کر دم کیا جائے یا کھانے پر دم کرکے وہ کھانا اسے کھلایا جائے۔درد ٹھیک ہوجائے گا۔

❸ ......آندھی، بارش یا طوفان روکنے کے لیے اس سورۃ کو 11 مرتبہ پڑھنا نہایت مفید ہے۔

❹ ......دشمن وغیرہ کا خوف ہوتو یہ سورۃ پڑھنے سے دشمن کے شر سے حفاظت نصیب ہوجاتی ہے۔

❺ ......حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''تفسیر مظہری'' میں اس سورۃ کے متعلق لکھا ہے کہ میرے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ ہر مصیبت کو دفع کرنے کے لئے تمام خوفناک واقعات میں یہ سورۃ پڑھا کرو۔ میں نے اس کا بار بار تجربہ کیا اور صحیح پایا۔

مجھے حضرت نے یہ وظیفہ بتایا، جب میں نے انجینئرنگ سے استعفیٰ دیا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔میں نے کہا کہ حضرت! میں نے نوکری سے استعفیٰ دیا ہے کیونکہ میں نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ جب چالیس سال کی عمر کا ہوجاؤں گا تو باقی زندگی میں دین کے لیے وقف کردوں گا۔حضرت نے میری طرف دیکھا اور فرمانے لگے کہ چھوڑنے کا ارادہ ہے یا چھوڑ کر آگئے ہو؟ میں نے کہا: جی استعفیٰ دے کر آگیا ہوں۔کشتیاں جلا کر گیا تھا۔تو فرمایا کہ اچھا اگر پہلے مشورہ لیتے تو میں مشورہ دیتا کہ ابھی کچھ سال اور نوکری

کرلو، نوجوان ہو، ابھی تم کر سکتے ہو۔ اس وقت نہ مجھے کوئی بیماری تھی نہ پیٹ بڑھا ہوا تھا، بالکل ینگ لڑکا تھا اور خوب صحتمند تھا۔

فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ سورۃ قریش پڑھ لیا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں روٹی بھی دے گا، بوٹی بھی دے گا، کاریں بھی دے گا، بہاریں بھی دے گا۔

اور اس وقت سے یہ عمل میں خود کرتا ہوں اور واقعی میرے شیخ کی بات کا ایک ایک لفظ ٹھیک ثابت ہوا ہے۔ اور اس عاجز کی طرف سے جتنا مجمع یہاں موجود ہے یا عورتیں میری بات سن رہی ہیں ان سب کو اس عمل کی اجازت ہے۔ اس کو کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے رزق کی فراخی حاصل کیجیے۔

⑥ ......سفر میں اس سورت کا پڑھنا آرام وراحت کا سبب ہے۔ ازدحام کے وقت گاڑیوں میں بیٹھنے کی جگہ اور سواری جلدی میسر آجاتی ہے۔

⑦ ......جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی، اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر مسلمانوں کو آپس میں ملا دے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کی بدحالی کو خوش حالی میں تبدیل فرمائے اور بدامنی کو امن میں تبدیل فرمائے۔

﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

سورۃ الفیل

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی، أَمَّا بَعۡدُ:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ٪﴿۵﴾﴾ [الفیل:۱ تا ۵]

سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ وَسَلٰمٌ عَلَي الۡمُرۡسَلِیۡنَ

وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

أَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکۡ وَ سَلِّمۡ

مختصر تعارف:

سورۃ الفیل ترتیب کے لحاظ سے ایک سو پانچویں (105) سورۃ ہے۔

یہ مکی سورت ہے، ایک رکوع اور پانچ آیات پر مشتمل ہے۔
کل الفاظ 24 اور کل حروف 99 ہیں۔

ربط و مناسبت:

سورۃ الفیل سے پہلے والی سورت "سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ" ہے اور اُس سورت کے ساتھ اِس سورت کا ربط یوں بیان کیا جاتا ہے۔

① ...... کفار مکہ کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عیب جوئی کرنا ایک بُری عادت تھی، جس کا اُخروی انجام پہلی سورت میں بیان کیا گیا۔ اس سورۃ فیل میں ان کو خبر دار کیا گیا ہے کہ دنیا میں بھی اس جرم کا نتیجہ بربادی ہے۔ جس طرح اصحابِ فیل نے بیت اللہ کے خلاف سازش کی تو وہ برباد ہوئے۔ اب تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کررہے ہو جن کی عظمت اللہ کے ہاں بیت اللہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔

② ...... سابقہ سورت میں اخلاقِ رذیلہ کا اُخروی انجام بیان ہوا ہے، اس سورت میں دُنیوی انجام کا بیان ہے۔

③ ...... پچھلی سورت میں اس بات کا دعویٰ تھا کہ مذکورہ جرائم پر آخرت میں عذابِ شدید ہوگا، اس سورت میں اس کی دلیل ہے کہ اس کا نمونہ اصحابِ فیل کے قصہ میں دیکھ لو۔

④ ...... سابقہ سورت میں اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ کسی کا مال نہ تو ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا اور نہ ہی اسے ہلاکت سے بچاسکے گا۔ اس سورت میں اس کا نمونہ پیش کیا گیا کہ ابرہہ کی دولت وشوکت نے نہ اس کا ساتھ دیا اور نہ تباہی و ہلاکت سے بچایا۔

⑤ ...... پچھلی سورت میں اہل مکہ کو ڈرایا گیا تھا تاکہ اطاعت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس سورت میں اپنا ایک مخصوص انعام یاد دلایا گیا کہ ابرہہ کے ظلم وستم سے تمہاری حفاظت کی اور

تمہارے خانہ کعبہ کو محفوظ رکھا۔اور قرآن مجید کا یہی انداز ہے کہ ''وعد'' اور ''وعید'' دونوں کو متوازی پیش کرتا ہے۔

وجہ تسمیہ:

اسے سورۃ الفیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں اصحاب الفیل کا واقعہ ذکر ہوا ہے۔

اصحاب الفیل کا واقعہ:

عربوں میں ایک بڑا مشہور قبیلہ ''حمیر'' تھا جو یمن میں آباد تھا۔اس قبیلہ کے سردار کا نام ''ذونواس'' تھا۔ یہ شخص مشرک تھا جس نے اس زمانے کے اہل حق یعنی نصاریٰ پر شدید مظالم کئے، اسی نے ایک طویل وعریض خندق کھدوا کر اس کو آگ سے بھرا اور جتنے نصرانی بت پرستی کی بجائے ایک اللہ کی عبادت کرنے والے تھے سب کو اس آگ کی خندق میں ڈال کر جلا دیا جن کی تعداد 20 ہزار کے قریب تھی۔

یہی وہ خندق کا واقعہ ہے جس کا ذکر ''اصحابُ الاخدود'' کے نام سے ''سورۃ البروج'' میں گزرا ہے۔ان میں سے دو آدمی کسی طرح اس کی گرفت سے نکل کر بھاگ گئے اور قیصر روم کے پاس جا کر فریاد کی کہ ذونواس نے نصاریٰ پر ظلم کیا ہے آپ اس سے انتقام لیں۔قیصر روم نے حبشہ کے بادشاہ کو خط لکھا کہ آپ اس ظالم سے ظلم کا انتقام لیں، وجہ اس کی یہ تھی کہ یمن روم سے دور اور حبشہ کے قریب تھا۔شاہِ حبشہ نے ایک عظیم لشکر ذونواس کے مقابلے کے لئے بھیجا، لشکر کی قیادت دو کمانڈر ''ابرہہ'' اور ''ارباط'' کر رہے تھے، اس لشکر نے حمیر قبیلہ کو شکست دی۔حمیر کا بادشاہ ذونواس بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہو کر مر گیا۔اس طرح ارباط و ابرہہ کے ذریعہ یمن پر حبشہ کے بادشاہ کا قبضہ ہو گیا، پھر ارباط

اور ابرہہ میں باہمی جنگ ہوئی، جس میں ارباط قتل ہوا اور ابرہہ غالب آ گیا۔

ابرہہ کو حبشہ کے بادشاہ نے یمن کا حاکم (گورنر) مقرر کر دیا، اس نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا شاندار کنیسہ بنایا جائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کے بجائے اسی کنیسہ میں جانے لگیں گے، اس خیال پر اس نے صنعاء میں ایک عالیشان کنیسہ تعمیر کیا اور اس کو سونے، چاندی اور جواہرات سے مزین کیا اور پوری مملکت میں اعلان کروا دیا کہ اب یمن سے کوئی بندہ بیت اللہ کے حج کے لئے نہ جائے، بلکہ اس کنیسہ میں عبادت کرے۔

عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب آ گئی تھی، مگر دین ابراہیم اور کعبہ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں پیوست تھی، اس لئے ان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ایک وقعہ یوں پیش آیا کہ اس کنیسہ کے قریب ایک عرب قافلے نے پڑاؤ ڈالا۔ اس قافلے کے کسی شخص نے کنیسہ کے قریب اپنی ضروریات کے لئے آگ جلائی جس سے کنیسہ کو آگ لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچا۔

ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ کسی قریشی نے یہ کام کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کی اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی۔ شاہِ حبشہ نے نہ صرف یہ کہ اس کو اجازت دی، بلکہ اپنا خاص ہاتھی جس کا نام "محمود" تھا ابرہہ کے پاس بھجوا دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر

کعبہ پر حملہ کرے اور اس کے ساتھ مزید آٹھ (یا بارہ) ہاتھی اس لشکر کے لئے بھیج دیئے۔ ہاتھیوں کی یہ تعداد بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ کعبہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور طویل زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکا دیں تو سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) فوراً ہی زمین پر آ گرے گا۔

عرب میں جب اس کے حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ عرب میں ''ذو نفر'' نامی ایک شخص تھا، اس نے عربوں کو بیت اللہ کی حفاظت کے لئے اُبھارا۔ عرب لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور ابرہہ کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ ابرہہ کے ساتھ ان کی جنگ ہوئی، مگر یہ لوگ ابرہہ کا راستہ روکنے میں ناکام ہوئے، ابرہہ نے ان کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کر کے آگے روانہ ہو گیا۔

چلتے چلتے جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار ''نفیل بن حبیب'' نے پورے قبیلہ کے ساتھ مل کر ابرہہ کا مقابلہ کیا، مگر ابرہہ کے لشکر نے ان کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کر کے اس کے قتل کا ارادہ کیا، مگر پھر یہ سوچ کر ان کو زندہ رکھا کہ ان سے ہم راستوں کا پتہ معلوم کریں گے۔ اس کے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے مشہور قبیلہ ''ثقیف'' نے خیر اسی میں سمجھی کہ ابرہہ کا راستہ روکنے کی بجائے اپنے آپ کو بچایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ طائف میں جو ہم نے ایک عظیم الشان بت خانہ ''لات'' کے نام سے بنا رکھا ہے اگر ابرہہ اس کو نہ چھیڑے تو ہم اس کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ انہوں نے ابرہہ سے مل کر یہ بھی طے کر لیا کہ ہم تمہاری مدد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار ''ابورغال'' تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ ابرہہ اس پر راضی ہو گیا اور

ابورغال کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام ''محسر'' پہنچ گیا جہاں قریشِ مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر حملہ کر کے اونٹ پکڑ لیے جن میں ۲۰۰ اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدامجد عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔

ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنا ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر انہیں اطلاع دے کہ ہم تم سے جنگ کے لئے نہیں آئے، بلکہ ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے۔ اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ حناطہ، جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اس کو عبدالمطلب کا پتہ دیا کہ وہ قریش کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کرسکیں، البتہ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اللہ کا گھر اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے، وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اگر اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو کر کے دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔ ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے اُتر کر نیچے بیٹھ گیا، عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ عبدالمطلب سے پوچھے کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں؟ عبدالمطلب نے کہا کہ میرا مطالبہ اتنا ہے کہ میرے اونٹ جو آپ لوگوں نے پکڑ لئے ہیں، وہ میرے حوالے کر دیں۔

ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا کہ جب میں نے آپ کو شروع میں

دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی عزت پیدا ہوئی، مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کردیا کہ آپ مجھ سے صرف اپنے 200 اونٹوں کی بات کر رہے ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ میں آپ کے کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں، اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک میں ہوں، اس لیے مجھے ان کی فکر ہوئی اور بیت اللہ کا مالک مَیں نہیں، بلکہ اس کا مالک ایک عظیم ہستی ہے، وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمہارا خدا اس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ پھر تمہیں اختیار ہے، جو چاہو کرو۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کردیئے۔ جب وہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ (کنڈا) پکڑ کر اشعار کی شکل میں دعا کی اور فرمایا:

؎ یَارَبِّ لَا اَرْجُوْ لَهُمْ سِوَاكَا
یَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا
اِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَا
اِمْنَعْهُمْ اَنْ يَّخْرِبُوْا قُرَاكَا

”اے پروردگار! میں تیرے سوا کسی سے امید نہیں رکھتا، تو ان لشکروں کو اپنے خانہ کعبہ سے روک لے۔ تیرے کعبہ کا دشمن ایسا آدمی ہے جو تیرے ساتھ دشمنی رکھتا ہے، ان کو اس سے منع کر کہ وہ تیرے خانہ کعبہ کو خراب کرے۔“

اس کے بعد عبدالمطلب اور قریش مکہ نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ابرہہ کے عظیم لشکر کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں، آپ ہی اپنے گھر کی حفاظت کا انتظام فرما دیں۔ دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر پہاڑ پر

چڑھ گئے۔ ان کو یہ یقین تھا کہ ابرہہ کے لشکر پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا، اسی یقین کی بنا پر انہوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا، بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اس لئے پسند نہ کیا کہ خود تو اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی اور دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے۔

صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی ''محمود'' نامی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا۔ نفیل بن حبیب (جن کو راستہ سے ابرہہ نے گرفتار کیا تھا) آگے بڑھے اور ہاتھی کے کان میں کہا کہ تُو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا، کیونکہ تو اللہ کے بلد امین (محفوظ شہر) میں ہے۔ اتنا کہہ کر پیچھے ہٹ گئے۔ ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اس کو اٹھانا اور چلانا چاہا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس کو بڑے بڑے آہنی تیروں سے مارا گیا، اس کی بھی پروا نہ کی، اس کی ناک میں آنکڑا لوہے کا ڈال دیا گیا، وہ پھر بھی کھڑا نہ ہوا۔ اسی وقت لوگوں نے اسے یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔ پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا۔ پھر مشرق کی طرف چلایا تو چلنے لگا۔ ان سب اطراف میں چلانے کے بعد پھر اس کو مکہ مکرمہ کی طرف چلانے لگے تو دوبارہ بیٹھ گیا۔

ایک طرف قدرت کا یہ کرشمہ ظاہر ہوا۔ دوسری طرف دریا کی جانب سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین کنکریاں چنے یا مسور کی برابر تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ پرندے بھی عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے، ان کے پنجے سرخ

تھے۔ فوراً ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے اور وہ کنکریاں ان پر گرانی شروع کر دیں۔ ایک ایک کنکری نے وہ کام کیا کہ جس پر پڑتی اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر سب ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا۔ لشکر کے سب آدمی اس موقع پر ہلاک نہیں ہوئے، بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے۔ ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستے میں مر مر کر گر گئے۔ ابرہہ کو چونکہ سخت سزا دینا تھی، یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا، مگر اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا۔ اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دارالحکومت صنعا پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مر گیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے، مگر دونوں اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے۔

چونکہ عبدالمطلب اور دوسرے قریش پہاڑ پر چڑھ چکے تھے اور انہوں نے رات پہاڑ پر گزاری۔ جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو تیز رفتار گھوڑے پر بھیجا، تاکہ وہ ان کو دیکھ کر آئے۔ اس نے جا کر دیکھا کہ وہ سارے کے سارے تباہ ہو کر گرے پڑے ہیں تو اپنے گھوڑے کو تیز دوڑاتے ہوئے فوراً واپس آئے۔ جب ان کے والد نے ان کو دیکھا تو دور سے پکار کر پوچھا: تیرے پاس کیا خبر ہے؟ انہوں نے کہا: وہ سب ہلاک ہو گئے ہیں۔ پس عبدالمطلب اور اس کے ساتھی پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ اس وقت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے۔

أَنْتَ مَنَعْتَ الْجَيْشَ وَالْأَفْيَالَا

وَ قَدْ رَعَوْا بِمَكَّةَ الْأَجْيَالَا

وَ قَدْ خَشِيْنَا مِنْهُمُ الْقِتَالَا

ے وَ كُلُّ أَمْرٍ مِّنْهُمْ مُعْضَالَا
شُكْرًا وَحَمْدًا لَكَ ذَا الْجَلَالَا

’’تُو نے ہماری حفاظت کی حبشی لشکر اور ہاتھیوں سے، اس حال میں کہ وہ مکہ مکرمہ پر ہاتھیوں کے لشکر سے حملہ آور ہوئے۔ ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ ہم سے لڑیں گے اور ان کی جانب سے ہر امر انتہائی تکلیف دہ اور پیچیدہ ہوگا۔ اے خداوند ذو الجلال! ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیری ثنا بیان کرتے ہیں۔‘‘

.....حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے ابرہہ کے لشکر کے بچے ہوئے دو بندوں کو دیکھا ہے۔ ان کی حالت ایسی تھی کہ وہ دونوں اندھے اور اپاہج تھے۔

.....حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے دونوں اپاہج اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس واقعہ کے حوالہ سے چند باتیں قابل ذکر ہیں:

(1) .....مفسرین نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام کو نبوت سے پہلے جو ایسی نشانیاں دی جاتی ہیں جن کی مثل پیش کرنے سے انسان عاجز ہوتے ہیں، انہیں ’’اِرہاص‘‘ کہا جاتا ہے اور نبوت کے بعد ان کو ’’معجزہ‘‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اصحاب الفیل کا واقعہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارہاصات میں سے ہے، گویا اس میں یہ بتادیا کہ اس شہر میں ایک شخصیت کا ظہور ہونے والا ہے جس کا اس کعبہ شریف سے خاص تعلق ہوگا۔ اس کی آمد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی فضل سے اس کی حفاظت ہوگی۔

(2) .....ابرہہ کے لشکر کو کئی عرب قبائل نے روکنے کی کوشش کی، لیکن اس میں کامیاب نہ ہوئے، اگر اللہ چاہتے تو انہی قبائل میں ہمت پیدا فرمادیتے اور ابرہہ کی فوج شکست

دے دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ اس نے مادی طاقت کے مقابلہ میں مادی طاقت کو نہیں بھیجا، بلکہ مقابلہ میں غیبی طاقت کا مظاہرہ کرلیا۔

3 ...... پرندوں کی یہ فوج یمن ہی میں ابرہہ کی فوج کو ٹھکانے لگاسکتی تھی، لیکن یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا، تا کہ اہل مکہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور انہیں اللہ پر یقین ہوجائے۔

4 ...... فوج کے کچھ بچے کھچے لوگ اور خود ابرہہ یمن تک پہنچے اور وہاں جا کر ان کو موت آئی، حالانکہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ مکہ ہی میں سب کے سب مرجاتے۔ اس کی مصلحت یہ تھی کہ اہل یمن بھی اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور پھر کبھی بُرے ارادہ سے کعبۃ اللہ کی طرف قدم نہ اُٹھائیں۔

5 ...... ابرہہ کی فوج کا جو حال ہوا، اس کے بارے میں قرآن کریم نے کہا ہے کہ وہ ﴿كَعَصۡفٖ مَّأۡكُولِۭ﴾ یعنی کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ہوگئی۔ ایک تو بھوسہ خود ریزہ ریزہ ہوتا ہے اور اگر اس کو چبا بھی لیا گیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا حال مزید بدتر ہوجاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ابرہہ کی فوج کا نہایت ہی بُرا حال ہوگیا۔

6 ...... جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، یعنی ۵۷۱ء، اسی سال محرم کے مہینے میں یہ واقعہ پیش آیا اور ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، گویا نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ عرب سرزمین میں جو انقلاب آنے والا تھا اور جس کا مرکز مکہ مکرمہ کو بننا تھا، یہ اس کی تمہید تھی۔ اس واقعہ کی وجہ سے کعبہ اور مکہ کی عظمت عربوں کے علاوہ یمن اور حبش تک پہنچ گئی، قریش کا دبدبہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا اور یقین ہوگیا کہ کعبۃ اللہ، اللہ تعالیٰ کا محبوب گھر ہے۔ اہل مکہ نے

اس مصیبت کے وقت میں اللہ سے دعا کی، جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایمان کا تخم پڑ گیا۔

یہ واقعہ گویا قدرت کی طرف سے ایک نشان تھا کہ اب دنیا میں دینِ حق کا آفتاب ظاہر ہونے والا ہے، جو کفر کی تاریکیوں کو مٹا کر رکھ دے گا۔ اس لئے اہل علم نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے مربوط قرار دیا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے ہی پیش آ گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی نشر واشاعت کے لئے میدان تیار کر دیا گیا کہ دعوتِ دین کا آغاز کیا جا سکے، تاکہ جلد سے جلد یہ دعوت پورے علاقہ میں متعارف ہو جائے۔ چنانچہ مکہ سے یہ دعوت دور دور تک پہنچ گئی، پھر کچھ جدوجہد کے بعد مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے اسلام قبول کر لیا، یہاں تک کہ بالآخر پورا عرب دامن اسلام میں آ گیا۔

ترجمہ

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَٰبِ ٱلْفِيلِ﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا برتاؤ کیا۔

﴿أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِى تَضْلِيلٍ﴾

کیا اس نے ان کی تمام تدبیروں کو بے کار اور غیر مؤثر نہیں کر دیا؟

﴿وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ﴾

اور اس نے ان پر غول کے غول (جھنڈ کے جھنڈ) پرندے بھیجے۔

﴿تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ﴾

جو اُن پر کنکر کی قسم کے پتھر پھینکتے تھے۔

﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾

پھر انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر ڈالا۔

تفسیر

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا برتاؤ کیا؟

''أَلَمْ تَرَ'' کے معنی ہیں: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا''۔

سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے کا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کس طرح دیکھتے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں ''تَرَ'' میں رؤیت سے رؤیت قلبی یعنی علم مراد ہے اور اس کے معنی ہیں: ''أَلَمْ تَعْلَمْ'' (کیا آپ کو معلوم نہیں)؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو رؤیت بصری قرار دیا جائے تو پھر بھی درست ہوگا، کیونکہ جو واقعہ تواتر کی حد تک یقینی ہو یا اس واقعہ کے آثار اور نتائج آنکھوں سے دیکھ لئے جائیں تو اسے رؤیت بصری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اتنا یقینی ہے کہ گویا آنکھوں نے دیکھا ہے۔

''فیل'' فارسی زبان کا لفظ ہے بمعنی ہاتھی۔ یہ لفظ اصل میں ''پیل'' تھا، عربی میں (پ) نہیں ہے اس لئے اسے (ف) سے بدل دیا گیا۔

۞..... یہاں اللہ تعالیٰ نے ''فَعَلَ رَبُّكَ'' فرمایا، ''فَعَلَ الرَّبُّ'' نہیں فرمایا، اگرچہ اللہ

تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے، لیکن چونکہ اس واقعہ کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام کے لئے میدان کو ہموار کرنا تھا، اس لیے یہ انداز اختیار کرلیا کہ سارا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کیا گیا ہے، کیونکہ میں آپ کا رب ہوں۔

......اس میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جیسے اللہ چاہتا ہے کہ بندہ صرف میرا ہی بندہ ہو، کسی اور کا نہ ہو۔ اسی طرح بندے کی فطرت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میرا محبوب صرف میرا ہو، کسی اور کا نہ ہو۔ اس کو یوں مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر خاوند چاہتا ہے کہ میری بیوی صرف اور صرف میری ہو تو بیوی بھی چاہتی ہے کہ میرا خاوند صرف اور صرف میرا ہو۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ میں صرف اور صرف آپ کا رب ہوں۔ آپ سوچئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لفظ سے کتنی خوشی ہوئی ہوگی۔

جیسا کہ مسکین پور شریف میں دو بڑے میاں آپس میں اس بات پر لڑ رہے تھے: ایک کہتا کہ اللہ میرا ہے، دوسرا کہتا کہ نہیں، اللہ میرا ہے۔

......''اَصْحٰبُ الْفِيْلِ'' فرمایا، ''اَرْبَابُ الْفِيْلِ'' اور ''مُلَّاكُ الْفِيْلِ'' نہیں فرمایا۔

اس میں راز یہ ہے کہ مالک اور مملوک کا ایک جنس سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسے ایک آدمی کتے کا مالک ہوتا ہے تو مالک، انسان اور مملوک، حقیر جانور رہے۔ لیکن صاحب کا معنی ساتھی ہے اور ساتھیوں کی جنس ایک ہوتی ہے۔ سمجھانا مقصود ہے کہ یہ لوگ تو جانوروں کے ساتھی تھے، بلکہ جانوروں سے بدتر تھے، کیونکہ ہاتھی بیت اللہ کی طرف نہیں بڑھ رہے تھے، ان کو احساس تھا کہ کعبہ، اللہ کا گھر ہے جبکہ ان لوگوں کو احساس نہیں تھا اور وہ اپنے ہاتھیوں کو زبردستی ہانک کر بیت اللہ پر حملہ کرنے کے لئے مجبور کر رہے تھے۔ گویا کہ یہ لوگ ہاتھیوں سے بھی زیادہ گرے ہوئے تھے۔

﴿أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ﴾

اس نے ان کی تمام تدبیروں کو بے کار اور غیر مؤثر نہیں کر دیا؟

''كَيْدٌ'' کا لغوی معنی ہے: ''کسی کو نقصان پہنچانے کی پوشیدہ تدبیر جو عام لوگوں کو معلوم نہ ہو۔''

''تَضْلِيْلٌ'' ضلالت سے ہے: کسی بندے کا منزل پر پہنچنے کی بجائے راستے میں بھٹکنے کو کہتے ہے۔ اسی طرح تیر نشانے پر لگنے کی بجائے غلط رہ پر چلنے کو بھی ضلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی تدبیر ہدف تک نہیں پہنچ سکی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ''تَضْلِيْلٍ'' سے تعبیر کر لیا۔

انہوں نے قریش کو قتل کرنے، ان کو قید کرنے اور بیت اللہ کو منہدم کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے خود ان کو نیست و نابود کر دیا۔

سوال:

یہ لوگ تو کھلم کھلا بیت اللہ کو منہدم کرنے آئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ لوگ ''كَيْدٌ'' (خفیہ تدبیر) کرتے ہیں۔

جواب:

جواب یہ ہے کہ دراصل ابرہہ کے اقدام کے محرکات اور اسباب پوشیدہ تھے۔ ایک تو اس کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا، دوسرا عرب کی عزت اور شرافت کی وجہ سے ان کے دل میں حسد تھا، تیسرا وہ یہ چاہتا تھا کہ یہ عزت مجھے حاصل ہو جائے، گویا کہ وہ حب جاہ کا مریض تھا۔ چونکہ یہ تینوں اسباب پوشیدہ ہیں، اس لئے اس کو لفظ ''کید'' سے تعبیر کیا گیا۔

﴿وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ﴾

اور اس نے ان پر غول کے غول (جھنڈ در جھنڈ) پرندے بھیجے۔

''کَیْدٌ'' عربی زبان میں ''پرندے'' کو کہتے ہیں اور ''اَبَابِیْلٌ'' عربی زبان میں ایسا لفظ ہے کہ یہ جمع ہے اور اس کا واحد کوئی نہیں ہے، اس کا معنی ہے: ''متفرق جماعتیں''۔

...... ''طیرًا'' کو نکرہ ذکر کیا ہے اور یہ تنکیر تحقیر کے لئے ہے، گویا کہ وہ حقیر اور چھوٹے پرندے تھے جنہوں نے ہاتھیوں کا مقابلہ کیا اور صرف مقابلہ نہیں کیا بلکہ عبرتناک شکست بھی دی۔ اللہ وہ ذات ہے جو چڑیوں سے باز مروا دیتا ہے۔

اور ہم نے قریب زمانے میں بھی دیکھا کہ دنیا کی بڑی بڑی جو طاقتیں تھیں انہوں نے چند نہتے ایمان والوں پر حملہ کیا ادھر سے توپیں تھیں ادھر سے چنگھاڑتے ہوئے جہاز تھے، طیارے تھے بمباریاں تھیں اور ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ یوں سمجھیں کہ ان کے پاس غلیل ہی تھی۔ پرانی بندوقیں جو چلتی بھی نہیں تھیں۔ مگر اللہ نے ان کی مدد کی اور ایک وقت آیا کہ ہم نے دیکھا کہ جو آنے والے تھے عبرتناک شکست کھا کر واپس چلے گئے۔

یہاں سے عارفین نے ایک نکتہ نکالا ہے کہ ابرہہ چلا تھا اللہ کے گھر پر قبضہ کرنے کے لیے اللہ نے پرندوں کو حکم دیا کہ ان پر پتھر پھینکو اور ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دو۔ سالک کا دل بھی بیت اللہ کا نمونہ ہے۔ اگر اس کے دل پر شیطان قبضہ کرنے کے لیے آئے تو تم ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے نیزے چھوڑو، تلواریں چھوڑو، تیر چھوڑو تو شیطان کو اللہ تعالیٰ تباہ و برباد فرما دیں گے اور تمہارے دل کو پاک کر دیں گے۔

...... سوال: وہ کون سے پرندے تھے، کیسے پرندے تھے، کہاں سے اور کس طرح آئے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

ان پرندوں کی حقیقت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

......ان کے پنجے آدمیوں کی ہتھیلیوں کی طرح تھے اور ان کی کچلیاں درندوں کی کچلیوں کی طرح تھیں۔

......چمگادڑوں کی طرح تھے۔

......سفید رنگ کے چھوٹے پرندے تھے۔

......کالے رنگ کے تھے، کالے چونچ والے اور لمبی لمبی گردنوں والے تھے۔

......سبز رنگ کے پرندے تھے۔ سمندر کی جانب سے آئے اور ان کی سونڈیں اونٹ کی سونڈ کی طرح تھیں، پنجے کتوں کے پنجوں کی طرح تھے۔ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد ایسے پرندے دیکھے گئے۔

- ......آسمان کے پرندے تھے۔
- ......زمین کے پرندے تھے۔
- ......مختلف رنگوں کے تھے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اقوال میں تطبیق یوں کی ہے کہ جب وہ مختلف افواج و گروہ تھے تو ممکن ہے کہ ہر گروہ کا رنگ اور صورت دوسرے سے مختلف ہو تو جس بندے نے جیسے دیکھا، ویسے بیان کیا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اگر پرندوں کی حقیقت میں ابہام رکھا ہے تو اس کو زیادہ کریدنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنی سی بات ہے کہ کمزور پرندوں سے اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو مروادیا۔

﴿تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ﴾

جو اُن پر کنکر قسم کے پتھر پھینکتے تھے۔

''رَمْیٌ'' کا معنی ہے: پھینکنا۔ حج کے دوران شیطان کو کنکریاں مارنے کے عمل کو بھی ''رمی جمرات'' کہا جاتا ہے۔

''سِجِّیْلٌ'' دراصل فارسی لفظ ''سنگِ گل'' ہے۔ فارسی کی ''گ'' عربی میں آکر ''ج'' سے بدل گئی ہے۔ فارسی میں سنگ بمعنی پتھر اور گل مٹی کو کہتے ہے۔ پرانے زمانے میں مٹی کے گارے سے گولیاں بنا کر آگ پر پکاتے تھے، پھر غلیل کے ذریعے پھینکتے تھے، چونکہ وہ پتھر کی طرح سخت ہوتے تھے، اس لئے اس کو سنگ گل یا ''سِجِّیْلٌ'' کہتے تھے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صالح سے نقل کیا ہے کہ حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں مَیں نے ان کنکریوں میں سے دو قفیز (ایک سو بیس صاع) کنکریاں دیکھی تھیں، ان کا رنگ کالا تھا، سرخ رنگ کی لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ پرندوں کی پھینکی ہوئی کنکریاں اصحابِ فیل پر گرتی تھیں تو ان کے جسم پر چھوٹے چھوٹے چھالے بن جاتے تھے۔ دنیا میں سب سے پہلے چیچک کی ابتداء یہاں سے ہوئی۔

...... کنکریاں کیسی تھیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

...... غلیل کی گولی کی مثل تھیں۔

...... کنکر چنے کے دانے کے مثل تھے اور مسور سے تھوڑے بڑے تھے۔ وہ سرخ مہر زدہ تھے، گویا کہ وہ چھوٹے ستاروں کے ٹکڑے تھے۔

﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ﴾

پھر انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر ڈالا۔

''عَصْف'' بھوسہ کو کہتے ہیں۔ اوّل تو بھوسہ ہی منتشر تنکے ہوتے ہیں، پھر جبکہ اس کو

کسی جانور نے چبالیا ہو اور باقی ماندہ روند دیا ہو تو وہ نہایت بے وقعت ہوتا ہے۔ ابرہہ کے لشکر کا یہی حال ہو گیا تھا جیسے روندہ ہوا بھوسہ اور پامال و بے وقعت کوڑا ہوتا ہے۔

''عَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ'' کا ترجمہ بعض حضرات نے ''گوبر'' اور ''لید'' کے ساتھ کیا ہے، کیونکہ جب بھوسہ کھایا جاتا ہے تو گوبر کی شکل میں جانور سے خارج ہو جاتا ہے۔

سورۃ الفیل کے خواص

① ......جنگی حالات میں دشمن سے جنگ کے دوران اگر سورۃ الفیل کی تلاوت کی جائے تو دشمن شکست کھا جائے گا۔

② ...... دشمن کے شر سے بچنے کے لئے نہایت مجرّب عمل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ''کھیعص''، ''حمعسق'' کاف سے شروع کرے، کاف پر ختم کرے اور ہر حرف کے ساتھ ایک انگلی بند کرے، مگر اس طرح کہ سب سے پہلے داہنے ہاتھ کی انگلی بند کرے، پھر اسی طرح برابر بند کرتا چلا جائے۔ سب سے آخر پر بائیں ہاتھ کا انگوٹھا بند کرے۔ پھر جب دس انگلیاں بند ہو جائیں، تب آہستہ سے یہ سورت پڑھنی چاہئے۔ جب ''تَرۡمِیۡهِمۡ'' کے لفظ پر آئے تو اس لفظ کو 10 مرتبہ کہے، ہر دفعہ اس لفظ کو پڑھنے کے ساتھ ایک انگلی کھولتا چلا جائے، پھر باقی سورت کو آخر تک پڑھے۔

③ ......جو شخص خواب میں اس سورت کی تلاوت کرے گا، دشمن کے خلاف اس کی مدد ہو گی اور اس کے ہاتھ اسلامی فتوحات بہت ہوں گی۔

④ ...... امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو آدمی فجر کی پہلی رکعت میں ''سورۃ الم

نشرح'' اور دوسری میں ''سورۃ الفیل'' پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دشمنوں کے شر سے بچاتا ہے۔

سورت سے حاصل ہونے والا سبق

① ...... اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ پر حملہ آور اصحابِ فیل کو نیست ونابود کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ جو بندہ دین کا کام کرے گا اس کے لئے بھی تسلی کا سامان ہے کہ اس کا دشمن ذلیل اور رُسوا ہوگا۔

② ...... اللہ تعالیٰ پرندوں اور کنکریوں کے بغیر بھی ابرہہ کے لشکر کو تباہ کرنے پر قادر ہے، لیکن اگر ایسا ہوجاتا تو لوگ کہتے کہ طاقتور رب نے ابرہہ اور اس کے لشکر کو تباہ کردیا۔ گویا یہ اتنی حیرانگی والی بات نہ ہوتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے ذریعے ان کو تباہ کر کے دنیا والوں کو پیغام دیا کہ جب میں چاہتا ہوں تو کمزروں کو طاقت وروں پر غلبہ دے دیتا ہوں۔

③ ...... اس واقعہ میں کمزور مسلمانوں کے لیے یہ سبق ہے کہ تمہارا دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اللہ اس کو تباہ کردے گا، بشرطیکہ کنکر پھینکنے کی ہمت تم کرو۔ چنانچہ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ قریب کے زمانے میں جب کفار نے دیوہیکل ٹینکوں اور چیختے چنگھاڑتے طیاروں کے ساتھ مسلمانوں پہ حملے کیے تو مسلمانوں نے بے سروسامانی کے عالم میں غلیلوں اور پرانی بندوقوں کے ساتھ ان کا سامنا کیا اور

اللہ نے فتح عطا فرمادی۔

④ ......واقعہ فیل میں یہ سبق دیا جارہا ہے کہ اگر بیت اللہ جو ہمارا قبلہ وکعبہ ہے اس پر جب ابرہہ کے لشکر حملہ آور ہوں تو پھر کنکروں سے ذریعے اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں، اسی طرح اگر کسی کے دل پر جو اللہ کا گھر ہے شیاطین حملہ آور ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں، خاص طور پر ''اللہ اللہ'' کی ضربیں شیاطین کے لئے کنکریوں کا کام کرتی ہے۔

⑤ ......جب اللہ کے دشمن دین کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے عزائم کو خاک میں ملادیتے ہیں۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ

﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ﴾

(اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے)۔

⑥ ......ابرہہ نے بیت اللہ کی تخریب کی کوشش کی تو اللہ نے یوں عبرت کا نشان بنادیا، ایسے ہی جو لوگ کسی بھی طور پر مساجد کو غیر آباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا عمل بھی اللہ کے قہر کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا﴾

(اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اس بات سے روکے کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لیا جائے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے)۔

⑦ ...... جب بیت اللہ کو خطرہ درپیش تھا تو عبدالمطلب نے اللہ کی طرف رجوع کرلیا، جب کسی سالک کو خطرہ درپیش ہو کہ شیطان اس کے دل کو خراب کرنا چاہ رہا ہے جو کہ اللہ

کا گھر ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف رجوع کر لے، اللہ اس کی بھی حفاظت کر دے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حاسدین کے حسد سے اور شریر لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے اور اپنی حفاظت عطا فرمائے۔

﴿وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

سورۂ یوسف کے 101 فوائد
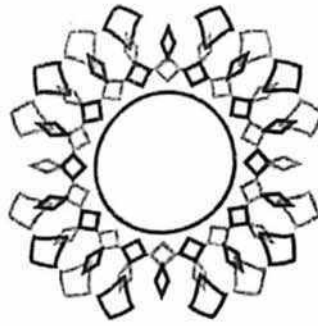
سال 2011ء میں روزانہ مغرب کے بعد حضرت جی مدظلہ نے طلبہ کے سامنے سورۂ یوسف کے فوائد پر مبنی پوری سورت کے معارف بیان فرمائے۔ یہ معارف اپنی افادیت کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ معارف محض چند تفسیروں سے اخذ نہیں کیے گئے بلکہ ان معارف کے بیان کے دوران قدیم وجدید ستاسی (87) تفاسیر حضرت جی مدظلہ کے زیرِ مطالعہ رہیں۔

سورۃ کہف کے فوائد

یہ کتاب قرآن مجید کی سورۃ ''الکھف'' کے دروس کا مجموعہ ہے جو حضرت جی مدظلہ نے رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کے دوران ارشاد فرمائے۔ بہت ساری عربی تفاسیر سے مطالعہ کرنے کے بعد ان دروس کو تیار کیا گیا۔ حضرت جی مدظلہ نے ان دروس میں سورت کا تعارف، شان نزول، ربط، خلاصہ اور سورت کے فوائد وخواص کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔ یہ کتاب عوام الناس اور خصوصاً علماء وطلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

سورۃ حجرات
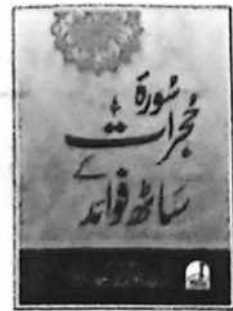
یہ کتاب قرآن مجید کی سورۃ ''الحجرات'' کے دروس کا مجموعہ ہے جو حضرت جی مدظلہ نے رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کے دوران ارشاد فرمائے۔ بہت ساری عربی تفاسیر سے مطالعہ کرنے کے بعد ان دروس کو تیار کیا گیا۔ حضرت جی مدظلہ نے ان دروس میں سورت کا تعارف، شان نزول، ربط، خلاصہ اور سورت کے فوائد و خواص کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔ یہ کتاب عوام الناس اور خصوصاً علماء وطلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

قرآن عظیم الشان

یہ کتاب حضرت جی دامت برکاتہم کے قرآن حکیم سے عشق و محبت کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں بھی قرآن حکیم کے عشق و محبت کے جذبات کو ابھارتی ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ قرآن حکیم کے ساتھ قانونی محبت کے بجائے جنونی محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔